1 ۔ ہجرت نبوی ﷺ

مولانا شبلی نعمانی

خلاصہ

مولانا شبلی نعمانی کا شمار اُردو ادب کے ارکان خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مشہور محقق، سیرت نگار اور شاعر تھے۔ سبق ہجرت نبوی ان کی کتاب "سیرت النبی" سے لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے دوران تبلیغ مکہ میں پیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ کیا ہے اور ہجرت کے اسباب و واقعات بیان کیے ہیں۔ نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا تو اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ پہنچ چکے تھے۔ تبلیغ اسلام کے لیے مکہ میں پیش آنے والی مشکلات اور اہل مکہ کی سختیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ دشمنوں نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا حالانکہ قریش مکہ نے مال و اسباب حضور ﷺ کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا تھا۔ خداوند کریم کی طرف سے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ آج رات تم میرے بستر پر سو جانا اور کل صبح امانتیں واپس کر کے مدینہ آ جانا۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر لیا۔ کفار نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا لیکن قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آپ ﷺ ان کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکلے اور کعبہ کو دیکھ کر فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے" حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں پناہ لی۔ صبح قریش کی آنکھیں کھلیں تو رسول کریم ﷺ کی جگہ حضرت علیؓ کو بستر پر پا کر بہت برہم ہوئے اور کچھ دیر حضرت علیؓ کو حرم میں محبوس رکھا۔ بعد ازاں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ عنہ غار میں تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا عبد اللہ آ کر مکہ والوں کی منصوبہ بندی سے آگاہ کرتا رہا۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام روزانہ شام کو آپ ﷺ کو دودھ دے جاتا جبکہ ابن ہشام کے مطابق حضرت ابو بکرؓ تعالی کی بیٹی اسماءؓ آپ ﷺ کو کھانا دے کر آتیں۔ کفار آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے غار تک آ پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ پریشان ہوئے۔ فوراً آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے کہا۔ "گھبراؤ نہیں بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" قریش نے اشتہار دے دیا کہ جو کوئی حضرت محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک خون بہا کے برابر یعنی سو اونٹ دیے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم انعام کے لالچ میں نکلا۔ اس نے آپ ﷺ کو غار سے نکلتے دیکھ لیا۔ اس نے ان پر حملہ کرنے کا شگون معلوم کرنے کے لیے فال نکالی جو صحیح نہ نکلی لیکن پھر بھی انعام کے لالچ میں آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اس کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس واقعہ نے اس کی ہمت پست کر دی۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر امن کی تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے قبول کر لی۔ حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ اہل مدینہ ہر روز صبح سویرے شہر سے باہر آ کر آپ ﷺ کا انتظار کرتے اور وقت دوپہر مایوس ہو کر لوٹ جاتے۔ ایک دن ایک یہودی نے قلعے سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا۔ "اہل عرب! تم جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر 1:

اس بنا پر جنابِ امیر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا: "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، میں آج مدینے روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔" یہ سخت خطرے کا موقع تھا۔ جناب امیرؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ ﷺ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گُل تھا۔

سبق کا عنوان: ہجرت نبوی ﷺ مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قتل گاہ	قتل کرنے کی جگہ، مقتل	فرشِ گل	پھولوں کا فرش
ہجرت	نقل مکانی کرنا، وطن چھوڑنا	فاتح خیبر	خیبر فتح کرنے والا (حضرت علی کا لقب)

تشریح:

جب اللہ تعالی کی طرف سے حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ملا تو آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور کہا کہ مجھے ہجرت کا حکم ملا ہے میں آج مدینہ چلا جاؤں گا۔ چونکہ قریش گھر کا گھیراؤ کیے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ مجھے قتل کر دیں۔ اگر انہیں خبر ہوئی کہ میرا بستر خالی ہے تو وہ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس لئے آج رات تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا تاکہ مکہ والے یہی سمجھیں کہ میں سو رہا ہوں۔ صبح جب تم بیدار ہو تو جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس موجود ہیں انہیں واپس کر کے تم بھی مدینہ آ جانا۔ اگرچہ کفار مکہ اعلان نبوت کے بعد حضورؐ کے جانی دشمن بن چکے تھے پھر بھی اپنا قیمتی مال و اسباب حضورؐ کے پاس امانت کے طور پر رکھواتے تھے۔ حضورؐ کی صداقت اور امانت کا یہ حال تھا کہ اہل مکہ آپ کو "صادق" اور "امین" کے نام سے پکارتے تھے۔ حضورؐ کو بھی قریش مکہ کی امانتوں کا اتنا احساس تھا کہ حضرت علیؓ کو تاکید کر رہے تھے کہ ان کی امانتیں واپس کرنے کے بعد مدینہ کے لیے روانہ ہونا۔ ہجرت کی رات آزمائش کی رات تھی۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش نعوذ باللہ حضورؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اس لئے آج کی رات حضورؐ کا بستر مقتل کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لیے بستر رسولؐ قتل گاہ نہیں بلکہ پھولوں کی سیج تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی حضرت علیؓ کا یقین تھا کہ اطاعتِ رسول میں اگر جان چلی بھی جائے تو حیات جاوداں حاصل ہو جاتی ہے ویسے بھی زندگی تو اللہ کی امانت ہوتی ہے اور اللہ فرماتا ہے کہ "ہم نے اہل ایمان سے جنت کے بدلے ان کی جان، مال اور اولاد کو خرید لیا ہے۔"

اقتباس نمبر 2:

صبح قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت ﷺ کی بجائے جناب امیرؓ تھے۔ ظالموں نے آپؓ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دھانے تک آ گئے۔ آہٹ پا کر حضرت

ابو بکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اب دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں۔

سبق کا عنوان: ہجرت نبوی ﷺ مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
محبوس	قید میں رکھنا	آہٹ	قدموں کی آواز
غمزدہ	دُکھی، پریشان	دشمن	عدو

تشریح:

حضور ﷺ جب مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ پر غفلت طاری کر دی تاکہ وہ حضورؐ کو جاتے ہوئے نہ دیکھ پائیں۔ صبح جب قریش بیدار ہوئے اور صحن رسول مقبول ﷺ میں پہنچے۔ بستر پر موجود فرد کے چہرے سے چادر ہٹائی تو دیکھا حضورؐ کے بجائے حضرت علیؓ بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں نے حضرت علیؓ کو پکڑا اور حرم کعبہ میں لے جا کر قید کر دیا۔ تھوڑی دیر انہوں نے آپ کو وہی پابند رکھا۔ لیکن جب یہ سمجھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تو انہوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑ دیا اور حضورؐ کی تلاش میں مکہ کی مختلف اطراف میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مکہ کے مشہور کھوجی کی خدمات حاصل کیں جو انہیں غار ثور کے دہانے تک لے آیا۔ لیکن غار کے دہانے پر مکڑی کے جال کو دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئے کہ اگر کوئی غار کے اندر جاتا تو جال نے ٹوٹ جانا تھا۔ دوسری طرف کفار مکہ کے قدموں کی آہٹ پا کر حضرت ابو بکرؓ غمگین ہو گئے کہ کہیں یہ لوگ حضورؐ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کے دشمن اس قدر قریب آچکے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم لوگ ان کی نظر میں آجائیں گے۔ حضورؐ نے آپ کو تسلی دی کہ "غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے" چنانچہ کفار مکہ گومگو کی حالت میں وہاں سے رخصت ہو گئے۔

اقتباس نمبر 3:

تشریف آوری کی خبر مدینے میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر ﷺ آرہے ہیں۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعے سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا: "اہل عرب! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا۔" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اُٹھا۔

سبق کا عنوان: ہجرت نبوی ﷺ مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ہمہ تن	پوری توجہ سے، پورا وجود	قرائن	نشانیاں، علامتیں

حسرت	ارمان، کسی چیز کے نہ ملنے کی کسک	تڑکے	صبح سویرے

سیاق و سباق:

سبق ہجرت نبوی میں مولانا شبلی نعمانی نے رسول پاکؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے واقعات کو پیش کیا ہے۔ تیرہ نبوی کے آغاز تک اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تھے۔ کفار مکہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو مطلع کیا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ غار ثور میں تین دن پناہ لی۔ سراقہ بن جحشم نے تعاقب کیا لیکن تائب ہوا۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔

تشریح:

حضورؐ کی مکہ سے مدینے آنے کی خبر مدینے والوں کو پہنچ چکی تھی چنانچہ سارا شہر انتظار میں تھا کہ حضورؐ کب پہنچتے ہیں انسانی فطرت ہے کہ جو شے یا شخص انسان کو اچھا لگتا ہو انسان چاہتا ہے کہ وہ اس کی نظروں کے سامنے موجود رہے جوں جوں محبت بڑھتی ہے محبوب کو دیکھنے کی خواہش میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر انسان کی محبوب ہستی اس کے سامنے موجود نہ ہو تو نگاہیں ہر دم اسے ڈھونڈتی ہیں۔ اہل مدینہ حضورؐ کو دیکھنے کے لئے مجسم انتظار بنے ہوئے تھے۔ چھوٹے معصوم بچے فخر اور جوش کے ساتھ کہتے پھرتے تھے۔ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں لوگ روز صبح سویرے مدینہ سے باہر آکر جمع ہو جاتے کہ آپ ﷺ کسی وقت بھی تشریف لا سکتے ہیں اور ایسا نہ ہو کہ آپؐ آئیں اور آپؐ کا استقبال کرنے کو کوئی موجود نہ ہو۔ دوپہر تک یہ لوگ حضورؐ کے انتظار میں بیٹھے رہتے اور پھر آپ کو دیکھنے کی حسرت لئے واپس پلٹ جاتے تھے۔ انتظار کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا، ایک دن جب لوگ انتظار کر کے واپس جا چکے تھے تو ایک یہودی نے قلعے سے دیکھا اور اپنے علم کی بنیاد پر آنے والوں کی نشانیاں دیکھ کر بلند آواز سے پکارا کہ اہل عرب تم لوگ جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا ہے اہل مدینہ نے جب یہ سنا کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی ہیں ان کی محبوب ہستی یعنی رسول خدا ﷺ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو پورا شہر اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اُٹھا، تکبیر کی یہ صدائیں عظمت الٰہی کا اعلان بھی تھیں اور ان میں اللہ کی اس عنایت کا شکر بھی موجود تھا کہ عالمین کی رحمت مدینہ والوں کو نصیب ہو چکی ہے۔

اقتباس نمبر 4:

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی، تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرتؐ ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبے کو دیکھا اور فرمایا: "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔" حضرت ابو بکرؓ سے پہلے قرار داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبلِ ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق ہے۔

سبق کا عنوان: ہجرت نبوی ﷺ مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
محاصرہ	گھیراؤ کرنا	عزیز	پیارا
قرارداد	وہ وعدہ جو طے پا جائے	بوسہ گاہ خلائق	مخلوق کے چومنے کی جگہ

سیاق و سباق:

سبق ہجرت نبوی میں مولانا شبلی نعمانی نے رسول پاکؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے واقعات کو پیش کیا ہے۔ تیرہ نبوی کے آغاز تک اکثر صحابہؓ مدینے پہنچ چکے تھے۔ کفار مکہ نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو مطلع کیا۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔ اقتباس کے بعد کے سبق میں ذکر ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تین دن غار ثور میں پناہ لی۔ حضرت علیؓ سے مکہ میں باز پرس کی گئی۔ سراقہ بن جعشم نے تعاقب کیا لیکن تائب ہوا اور آپ مدینہ پہنچ گئے جہاں شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔

تشریح:

ابو جہل کی اس تجویز کے بعد کہ حضورؐ کو نعوذ باللہ قتل کر دیا جائے۔ کفار نے ایک دن شام کے وقت حضورؐ کے گھر کو گھیر لیا۔ تاکہ جوں ہی موقع ملے تو اپنا مقصد حاصل کر لیا جائے۔ لیکن رات زیادہ گزر گئی تو اللہ تعالی نے کفار پر غفلت طاری کر دی وہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے۔ ان کے آس پاس کیا ہو رہا ہے؟ کون آ رہا ہے؟ کون جا رہا ہے؟ انہیں کچھ خبر نہیں رہی تو حضورؐ انہیں سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ آپؐ کی نظر خانہ کعبہ پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا" مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے" ہر جاندار کو اپنی سر زمین سے محبت ہوتی ہے وہ نباتات ہوں، آبی مخلوق ہو، پرندے ہوں یا دوسرے جاندار کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اسے اس کی سر زمین سے اس کے وطن سے دور جانا پڑے۔ حضورؐ کو مکہ سے محض اس لیے محبت نہیں تھی کہ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ یہاں گزرا تھا۔ حضورؐ کو مکہ سے اس لیے بھی محبت تھی یہاں کعبہ موجود تھا۔ یہ شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آباد کیا ہوا تھا۔ لیکن مکہ والوں نے حضورؐ کے لئے اس شہر کی زمین تنگ کر دی۔ تو اللہ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا حضورؐ مکہ سے نکلے، حضرت ابو بکرؓ سے پہلے ہی طے ہو چکا تھا چنانچہ وہ حضورؐ سے آملے۔ دونوں ہستیاں مکہ کے نواح میں موجود ثور پہاڑ کے قریب پہنچے اور وہاں موجود ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ اللہ کے حکم سے ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا بن دیا اور ایک کبوتری نے غار کے دہانے کے قریب انڈے دے دیے تاکہ تعاقب میں آنے والے دونوں ہستیوں کو نہ پا سکیں۔ یہ غار آج بھی موجود ہے جسے مخلوق چومتی ہے اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتی ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

(الف) ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا مراد ہے؟

جواب: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بحکم خداوندی تبلیغ دین کی خاطر مکہ سے مدینہ جانا ہجرت نبویؐ ہے۔

(ب) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے کون سے سال ہجرت فرمائی؟

جواب: رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے تیرہویں سال ہجرت فرمائی۔

(ج) حضرت امیرؓ تعالی عنہ سے کون سی شخصیت مراد ہے؟

جواب: حضرت امیرؓ سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔

(د) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ تعالی عنہ سے کیا ارشاد فرمایا؟

جواب: آپ ﷺ نے حضرت علیؓ عنہ سے فرمایا" مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے"۔ آج رات تم میرے بستر پر سو جانا اور کل صبح امانتیں واپس کر کے مدینہ آجانا۔

(ہ) حضرت اسماءؓ تعالی عنہا کون تھیں؟

جواب: حضرت اسماءؓ تعالی عنہا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں۔

(و) **قریش نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ تعالی عنہ کو گرفتار کرنے کا کیا انعام مقرر کیا؟**

جواب: قریش نے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو گرفتار کرنے کا انعام سو اونٹ مقرر کیا۔

(ز) سراقہ بن حجشم کیسے تائب ہوا؟

جواب: جب رسول ﷺ پاک کا پیچھا کرتے ہوئے سراقہ بن حجشم کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا تو وہ تائب ہوا۔

سوال 2: متن کو مد نظر رکھتے ہوئے موزوں الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان ـــــ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ (مکہ، ✓مدینہ، طائف، یمن)

(ب) نبوت کا ـــــ سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ (رضی اللہ) مدینے پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق: آنحضرت ﷺ نے بھی مدینے کا عزم فرمایا۔ (بارھواں، دسواں، ✓تیرھواں، پندرھواں)

(ج) اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس بہت سی ـــــ جمع تھیں۔ (تلواریں، ✓امانتیں، کھجوریں، نعمتیں)

(د) ـــــ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ (جناب ابو بکرؓ، جناب عمرؓ، ✓جناب امیرؓ، جناب عثمانؓ)

(ہ) ـــــ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی۔ (حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ، ✓حضرت ابو بکرؓ)

(و) اسی طرح ـــــ راتیں غار میں گزاریں۔ (✓تین، چار، پانچ، سات)

سوال 3: درج ذیل بیانات میں سے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف) دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں۔ ✓

(ب) حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان حبشہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا۔ ✗

(ج) نبوت کے تیرہویں سال اکثر صحابہؓ مدینہ پہنچ چکے تھے۔ ✓

(د) سب لوگوں نے ایک ہی رائے پیش کی۔ ✗

(ہ) اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ ✓

(و) فاتحِ خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گُل تھا۔ ✓

(ز) حضرت ابو بکرؓ عنہ کا غلام رات گئے، بکریاں چرا کر لاتا۔ ✓

(ح) حضرت عائشہؓ عنہا گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔ ✗

(ط) صبح قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت ﷺ کے بجائے جنابِ امیرؓ تھے۔ ✓

(ی) نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینے میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ ✓

سوال 4: کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دارالامان	جھنکاریں	مدینہ
دیانت	فرشِ گُل	امانت
قتل گاہ	چشم انتظار	فرشِ گل
ہمہ تن	امانت	چشم انتظار
تلوار	مدینہ	جھنکاریں

سوال 5: سبق ہجرت نبوی کا خلاصہ تحریر کریں۔

سوال 6: درج ذیل الفاظ وتراکیب کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کریں۔

جوابات:

قَتل گاہ	مُحاصَرہ	حَافِظِ عَالَم
فَرشِ گُل	عَدَاوَت	وُجُودِ اَقدَس
	بُوسہ گاہ	دَارُالاَمَان
	خَلَائِق	قَبَائِل

سوال 7: درجِ ذیل کے معنی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ	معنی	جملے
دعوتِ حق	حق کی دعوت	نبی پاک ﷺ نے دعوتِ حق کے دوران میں انتہائی مصائب کا سامنا کیا۔
ہدف	نشانہ	کفار کے ظلم وستم کا ہدف نبی پاک ﷺ کی ذات تھی۔
معیوب	عیب والا / برا	قریش مکان کے زنانہ حصے میں داخل ہونا معیوب سمجھتے تھے
ترکش	تیر رکھنے کا	تھیلا سراقہ نے ترکش سے فال کا تیر نکالا تو جواب میں "نہیں" آیا۔
خون بہا	خون کا بدلہ	کفار نے حضور ﷺ کی گرفتاری / قتل پر ایک خون بہا کے برابر انعام مقرر کیا۔

سوال 8: جمع کے واحد اور واحد کی جمع لکھیں۔

واحد	جمع	جمع	واحد
ہدف	اہداف	جھنکاریں	جھنکار
زنجیر	زنجیریں	رائیں	رائے
قبیلہ	قبائل		

Report any mistake ?

at : freeilm786@gmail.com

Want to get all subject notes ?

visit: freeilm.com

2 ۔ مرزاغالب کے عادات وخصائل

مولانا الطاف حسین حالؔی

کثیر الانتخابی سوالات

درست جوابات کی نشاندہی کریں:

1-مرزاغالب کے عادات وخصائل کے مصنف ہیں:

(الف)سرسید احمد خان (ب)سید سلمان ندوی (ج)مولانا الطاف حسین حالی (د)کرنل محمد خان

2-الطاف حسین حالی پیدا ہوئے:

(الف)لاہور (ب)پانی پت (ج)کلکتہ (د)لکھنؤ

3-دوستوں کو دیکھ کر غالب کی حالت ہوتی تھی:

(الف)غمگین ہو جاتے (ب)غصے میں آجاتے (ج)باغ باغ ہو جاتے (د)گھر سے باہر چلے جاتے

4-مرزا کے دوست کا فرغل تھا:

(الف)ریشم کا (ب)سُوت کا (ج)چھینٹ کا (د)لٹھے کا

5-مرزاغالب کی آمدنی تھی:

(الف)بہت زیادہ (ب)معقول (ج)قلیل (د)متوسط

6-حالی کے اجداد ہندوستان آئے زمانے میں:

(الف)غیاث الدین بلبن کے (ب)شاہ جہاں کے (ج)اکبر کے (د)جہانگیر کے

7-غالب کے گھر کے آگے پڑے رہتے تھے:

(الف)شعراء (ب)اندھے، لولے لنگڑے (ج)محلے دار (د)رشتہ دار

8-غدر کے بعد مرزا کی آمدن ہو گئی تھی:

(الف)دو سو روپے (ب)کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپے (ج)اڑھائی سو روپے (د)تین سو روپے

9-مرزا نے اپنا قیمتی چوغہ اتار کر اپنے دوست کو پہنایا:

(الف)کھونٹی پر سے (ب)دیوار پر سے (ج)ہینگر پر سے (د)کرسی پر سے

10-غالب شہر کے امراء و عمائد سے ملتے تھے:

(الف)برتری سے (ب)برابری سے (ج)ڈر کر (د)کمتری سے

11-مرزاغالب کس بادشاہ کے ساتھ باغ میں ٹہل رہے تھے؟

(الف) جہانگیر (ب) بہادر شاہ (ج) اورنگزیب (د) سراج الدولہ

12- مرزا ہر اس شخص سے جو اُن سے ملنے آتا ملتے تھے:

(الف) بد دلی سے (ب) نفرت سے (ج) کشادہ پیشانی سے (د) خوشی سے

13- جو شخص ایک بار مرزا سے مل لیتا اسے ہمیشہ رہتا:

(الف) ملنے کا اشتیاق (ب) دشمنی (ج) نفرت (د) عداوت

14- مرزا کے دوست مذہب سے تعلق رکھتے ہیں:

(الف) اسلام (ب) ہندومت (ج) تمام مذاہب (د) عیسائیت

15- غالب ہر خط کا جواب لکھنا سمجھتے تھے:

(الف) فضول کام (ب) اچھا کام (ج) فرض عین (د) ضروری کام

16- مقدمہ شعر و شاعری حالی کی کتاب کا ہے:

(الف) اختتام (ب) آغاز (ج) دیباچہ (د) اسلوب

17- غالب غریبوں اور محتاجوں کی امداد کرتے تھے:

(الف) اپنی بساط سے کم (ب) اپنی بساط سے زیادہ (ج) بلکل نہیں کرتے تھے (د) نمائش کے لیے

18- غالب کے مزاج میں اس قدر زیادہ تھی کہ انہیں حیوان ظریف کہا جائے تو بجا ہے:

(الف) طنز (ب) ظرافت (ج) سنجیدگی (د) شرارت

19- بادشاہ کے پوچھنے پر مرزا نے جواب دیا کہ روزے نہیں رکھے:

(الف) دو نہیں رکھے (ب) سارے نہیں رکھے (ج) ایک نہیں رکھا (د) دس نہیں رکھے

20- مرزا نے شیخ ابراہیم ذوق کو سودا کی تعریف پر کہا تھا:

(الف) پاگل (ب) دیوانہ (ج) سودائی (د) ناسمجھ

21- دیوان فضل اللہ مرزا کے مکان سے بغیر ملے گزرے:

(الف) بگھی میں سوار (ب) چرٹ میں سوار (ج) پالکی میں سوار (د) کار میں سوار

22- مرزا غالب سے آموں کے بارے میں رائے طلب کی:

(الف) نواب مصطفٰی خان نے (ب) ابراہیم ذوق نے (ج) مولانا فضل حق نے (د) بہادر شاہ ظفر نے

23- مرزا غالب کے دوست تھے:

(الف) چند ایک (ب) پانچ (ج) ایک سو (د) بے شمار

24- بیرنگ خط آنے پر غالب کا ردعمل ہوتا:

(الف) ناگوار گزرتا (ب) ناگوار نہ گزرتا (ج) اچھا لگتا (د) خوش ہوتے

25- سبق "مرزا غالب کے عادات و خصائل" کس کتاب سے لیا گیا ہے:

(الف) حیات جاوید (ب) یادگار غالب (ج) حیات سعدیؒ (د) مدوجزرِ اسلام

26- حالی کی کون سی تصنیف جدید اردو کا نقطہ آغاز ہے:

(الف)مسدس حالی (ب)مقدمہ شعر و شاعری (ج)حیات جاوید (د)حیات سعدیؒ

27-غالب دوستوں کی خوشی میں خوش اور ان کے غم میں ہوتے تھے:

(الف)غمگین (ب)افسردہ (ج)پریشان (د)نڈھال

28-مرزا کے آمدنی قلیل اور حوصلہ:

(الف)بلند تھا (ب)فراخ تھا (ج)کم تھا (د)نہیں تھا

29-دلی کے عمائد میں سے ایک صاحب کی حالت سقیم ہو گئی تھی:

(الف)1757ء کے بعد (ب) 1857ء کے بعد (ج) 1947ء کے بعد (د) 1906ء کے بعد

30-غالب کے دوست کے مکان کے آگے کا چھتا تاریک تھا:

(الف)دیوان فضل اللہ کے (ب)الطاف حسین کے (ج)نواب مصطفیٰ خان کے (د)حیدر علی آتش کے

31-ایک دفعہ بہادر شاہ ظفر اپنے مصاحبوں اور غالب کے ہمراہ باغ میں ٹہل رہے تھے:

(الف)باغ حیات بخش (ب)مقبرہ رابعہ درانی کا باغ (ج)جناح باغ (د)کالا باغ

32-مرزا غالب کی نیت کس سے کبھی سیر نہیں ہوتی تھی؟

(الف)چاولوں سے (ب)مالٹوں سے (ج)آموں سے (د)امرودوں سے

33-مرزا غالب کے مشہور قول کے ناقل ہیں کہ آم میٹھا اور بہت کو:

(الف)دیوان فضل اللہ (ب)مولانا فضل حق (ج)نواب مصطفیٰ خان (د)سر سید احمد خان

34-غالب کا بہت سا وقت صرف ہوتا تھا:

(الف)آم کھانے میں (ب)موسیقی سننے میں (ج)خطوط کے جواب لکھنے میں (د)سونے میں

35-مرزا غالب خطوط کے جواب لکھنے سے باز نہیں آتے تھے:

(الف)گھر میں (ب)جوانی میں (ج)بیماری اور تکلیف میں (د)سفر میں

36-اگر کوئی دوست لفافے میں ٹکٹ رکھ کر بھیجتا تو غالب:

(الف)شکایت کرتے (ب)خوش ہو جاتے (ج)ناراض ہو جاتے (د)دوستی ختم کر لیتے

37-غالب کے دروازے سے سائل بہت کم جاتا تھا:

(الف)جھولی بھر کر (ب)دھکے کھا کر (ج)کھانا کھا کر (د)خالی ہاتھ

38-حالی کے والد کا انتقال ہوا جب وہ تھے:

(الف)نو برس کے (ب)دس برس کے (ج)پندرہ برس کے (د)بیس برس کے

39-والد کی وفات کے بعد حالی کی پرورش کی:

(الف)والدہ نے (ب)بھائیوں نے (ج)دوستوں نے (د)چچا نے

40- حالی فیض یاب ہوئے صحبت سے :

(الف)درد اور میر کی (ب)غالب اور شیفتہ کی (ج)ذوق اور داغ کی (د)آتش اور ناصح کی

41-حالی کا تعلق خاطر قائم ہوا:

(الف)سرسید سے (ب)مولوی عبدالحق سے (ج)عبادت بریلوی سے (د)ذوق سے

42-شیفتہ اور غالب کے انتقال کے بعد حالی آئے:

(الف)دلی (ب)لاہور (ج)کلکتہ (د)پشاور

43-حالی نے لاہور آ کے ملازمت کر لی:

(الف)پولیس میں (ب)فوج میں (ج)پنجاب بک ڈپو میں (د)نیشنل بک ڈپو میں

44-لاہور آ کر حالی متعارف ہوئے:

(الف)فارسی ادبیات سے (ب)عربی ادبیات سے (ج)انگریزی ادبیات سے (د)اردو ادبیات سے

45- 1887ء میں سرکارِ حیدر آباد سے حالی کا وظیفہ مقرر ہوا:

(الف)سو روپیا (ب)دو سو روپے (ج)پانچ سو روپے (د)ہزار روپے

46-حالی کے اسلوبِ بیان کی سب سے نمایاں خوبی ہے:

(الف)مدعا نگاری (ب)طوالت (ج)اختصار (د)دلکشی

47-رشید احمد صدیقی نے حالی کے نثری اسلوب کو اردو کا اسلوب قرار دیا ہے۔

(الف)معیاری (ب)تسلی بخش (ج)رواں (د)نیا

48-حالی شاعر اور ہیں:

(الف)سوانح نگار (ب)مضمون نگار (ج)نقاد (د)مذکورہ تمام

49-حالی کی مشہور کتابیں ہیں:

(الف)حیات جاوید اور یادگارِ غالب (ب)حیاتِ سعدی اور مقدمہ شعر و شاعری

(ج)مدوجزرِ اسلام (د)مذکورہ تمام

50-مدوجزرِ اسلام مشہور ہوئی نام سے:

(الف)مسدس حالی (ب)مسدس غالب (ج)مسدس درد (د)مسدس مومن

جوابات:

1-ج	2-ب	3-ج	4-ج	5-ج
6-الف	7-ب	8-ب	9-الف	10-ب
11-ب	12-ج	13-الف	14-ج	15-ج
16-ج	17-ب	18-ب	19-ج	20-ج
21-ب	22-ج	23-د	24-ب	25-ب

30-ج	29-ب	28-ب	27-الف	26-ب
35-ج	34-ج	33-ج	32-ج	31-الف
40-ب	39-ب	38-الف	37-د	36-الف
45-الف	44-ج	43-ج	42-ب	41-الف
50-الف	49-د	48-د	47-الف	46-الف

Report any mistake ?

at : **freeilm786@gmail.com**

Want to get all subject notes ?

visit: **freeilm.com**

3 ۔ کاہلی

سر سیّد احمد خان

خلاصہ

سر سیّد احمد خان برصغیر کے مسلمانوں کے محسن تھے۔ وہ ماہر تعلیم، محقق اور نثر نگار تھے۔ سبق کاہلی ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں قلبی اور ذہنی کاہلی کو سب سے بڑی کاہلی قرار دیا گیا ہے۔

کاہلی ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سے محنت نہ کرنا کاہلی ہے لیکن دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے۔ ہاتھ پاؤں کی محنت، گزر اوقات کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ محنت مزدوری کرنے والے لوگ اور وہ لوگ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنے دلی قویٰ کو بے کار چھوڑ کر بڑے کاہل اور حیوان صفت ہو جاتے ہیں۔ ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہو گا کہ اپنی تعلیم اور اپنی عقل کو ضرورتاً کام میں لائے، لیکن اگر انسان ان عارضی ضرورتوں کا منتظر رہے اور اپنی دلی قویٰ کو کام میں نہ لائے تو وہ نہایت سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ پس ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندرونی قویٰ کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور ان کو بے کار نہ چھوڑے۔ ایک ایسے شخص کی حالت کا تصور کرو جس کی آمدنی اس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اس کے حصول میں اسے مشقت نہ کرنی پڑے۔ جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا۔ وہ اپنے دلی قویٰ کو بھی بیکار ڈال دے تو اس کا کیا حال ہو گا۔ یہی ہو گا کہ اس کے عام شوق وحشیانہ باتوں کی طرف مائل ہوتے جائیں گے۔ یہی سب باتیں اس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بد سلیقہ وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضع دار وحشی ہوتا ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لیے ایسے کام بہت کم ہے، جہاں ان کو قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے۔ اگر انگریزوں میں بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اس کا شوق نہ رہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنے کی حالت کو پہنچ جائیں گے۔ ہمارے ملک میں جو ہمیں اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع نہیں مل رہا ہے اس کا بھی یہی سبب ہے کہ ہم نے کاہلی اختیار کی ہے۔

مختصر یہ کہ کسی شخص کے دل کو بیکار نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف ہونا ضروری ہے۔ تا کہ ہم کو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کا خیال اور مستعدی رہے۔ جب تک ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوٹے گا، اس وقت تک ہم کو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

ہاتھ پاؤں کی محنت، اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا، ایک ایسی چیز ہے کہ بہ مجبوری اس کے لئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑی جاتی ہے اور اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنے والے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

سبق کا عنوان: کاہلی **مصنف کا نام:** سر سید احمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اوقات بسر	وقت گزارنا	پیٹ بھرنا	کھانا
کاہلی	سستی	مہیا کرتے	فراہم کرنا

تشریح:

دوسرے حیوانوں کی طرح انسان بھی ایک حیوانی وجود رکھتا ہے. ایک انسان اور دوسرے حیوانوں میں بہت سی صفات مشترک ہیں۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، خوش ہونا، تکلیف محسوس کرنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے محض انسان ہی دوچار نہیں ہوتے بلکہ دوسرے حیوان بھی ایسی کیفیات اور تجربات سے گزرتے ہیں۔ انسان کے لئے یہ بات قابل فخر نہیں ہے کہ اس میں اور دوسرے حیوانوں میں کونسی صفات مشترک ہیں۔ انسان کی فضیلت اس بات میں ہے کہ وہ کن امور میں دوسرے حیوانوں سے بہتر ہے۔ سر سید احمد خان انسان کی اس فضیلت کو "قوائے قلبی و ذہنی" قرار دیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے انسان کو ایسا دل اور ذہن عطا کیا ہے جو اسے دوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے اگر انسان دل اور ذہن کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل کی صلاحیتیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ قانون قدرت ہے کہ جو چیز بھی فعال نہ رہے حرکت اور عمل میں نہ رہے وہ زندگی سے محروم ہونے لگتی ہے انسان اگر اپنے صحت مند ہاتھ اور بازو کو حرکت دینا بند کر دے تو رفتہ رفتہ وہ جامد ہو جاتا ہے۔ یہی صورتحال قلبی صلاحیتوں کی ہوتی ہے اگر انسان ان سے کام نہ لے تو پھر اس میں اور دوسرے جانوروں میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ وہ انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آجاتا ہے۔ شاید ایسے ہی افراد کے لئے اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

" یہ انسان نہیں چوپائے ہیں بلکہ چوپاؤں سے بدتر"

سر سید احمد خان ہر انسان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اندرونی قوتوں کو زندہ رکھنے کی کوشش کرے۔ انہیں فعال بنائے اور بیکار نہ ہونے دے تاکہ اس کی انسانی فضیلت برقرار رہے۔

اقتباس نمبر2:

اگر ہم کو قوائے قلبی اور قوتِ عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو ہم کو اس کی فکر اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ موقع کیوں کر حاصل ہو۔ اگر اس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے تو اس کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ قصور کیوں کر رفع ہو۔ غرض کہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیے، کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے، تاکہ ہم کو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور مستعدی رہے اور جب تک ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوٹے گا، اس وقت تک ہم کو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے۔

سبق کا عنوان: کاہلی **مصنف کا نام:** سر سید احمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قوائے قلبی	دل کی قوتیں	قوت عقلی	عقل کی طاقت
مستعدی	چستی، آمادگی، تیاری	کاہلی	سستی

سیاق وسباق:

سبق کاہلی میں سر سید احمد خان نے قرار دیا ہے کہ جسمانی کام نہ کرنا کاہلی ہے لیکن دلی قویٰ کو بے کار چھوڑ دینا اس سے بڑی کاہلی ہے۔ جن کو محنت مزدوری کی حاجت نہ ہو وہ کاہل ہو جاتے ہیں۔ دلی قویٰ کو بے کار چھوڑ کر انسان حیوان اور وحشی بن جاتا ہے۔ جنھیں جسمانی محنت نہ کرنی پڑے وہ مہذب وحشی بن جاتے ہیں۔ اگرچہ انگلستان کی نسبت ہندوستان میں دلی قوی کو کام میں لانے کے مواقع کم ہیں لیکن ہر شخص کو اپنی ضروریات کے انجام دینے کی فکر اور مستعدی میں مصروف رہنا چاہیے اور دلی قویٰ کو بے کار نہیں چھوڑنا چاہیے

تشریح:

اللہ تعالی نے انسان کو شعور کی نعمت کے ساتھ ساتھ جذبات واحساسات کی نعمت سے نوازا ہے۔ قلب وذہن کی ان صلاحیتوں کا استعمال ہی انسان کو دوسرے جانداروں سے ممتاز بناتا ہے۔ سر سید احمد خان کا موقف یہ ہے کہ اگر ہمیں قلب اور عقل کی توانائیوں کو کام میں لانے کا موقع نہیں مل رہا تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہے اور غور وفکر کے بعد پھر کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ اگر ان صلاحیتوں کو استعمال نہ کرسکنے میں ہماری کوئی غلطی ہے تو ضروری ہے کہ اس غلطی کو دور کرنے پر غور بھی کرنا چاہیے اور یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اپنی غلطی کی اصلاح کریں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر توجہ کے لائق ہے کہ سر سید محض غور وفکر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ غور وفکر کے نتائج کو عملی صورت دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی شخص کا دل بیکار نہیں پڑا رہنا چاہیے بلکہ اسے مصروف عمل رہنا چاہیے۔ سوچ بچار اور عمل کی انجام دہی میں رہنا چاہیے تاکہ ہم اجتماعی طور پر اپنی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے بارے میں نہ صرف سوچیں بلکہ عملی جدوجہد میں مصروف رہیں کیونکہ جب تک ہماری قوم کاہلی کا شکار رہے گی دل کو بیکار پڑا رہنے دے گی۔ اس وقت تک قوم کی حالت نہیں سدھرے گی۔

سر سید احمد خان جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلسل اس جدوجہد میں مصروف رہے کہ برصغیر کے مسلمان سیاسی سماجی اور معاشی اعتبار سے باعزت مقام حاصل کرلیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں میں عمل کی اہمیت کو اجاگر کیا تشریح طلب اقتباس میں بھی سر سید نے اجتماعی سطح پر قوم کے افراد کی بیداری کی ضرورت پر زور دیا ہے کہ ہمیں اپنی کاہلی کے اسباب پر بھی غور کرنا چاہیے اور پھر یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے قلب وذہن کی صلاحیتوں کو قوم کی بھلائی کے لیے استعمال کرسکیں۔

اقتباس نمبر3:

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو، جس کی آمدنی، اس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اس کے حاصل کرنے میں اس کو چنداں محنت ومشقت کرنی نہ پڑے۔ جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قویٰ کو بھی بے کار ڈال دے تو اس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اس کے عام شوق وحشیانہ باتوں کی طرف مائل ہوتے جاویں گے۔ مزیدار کھانا اس کو پسند ہوگا۔ قمار بازی اور تماش بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں، البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ پھواڑ، بد سلیقہ وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضع دار وحشی ہوتا ہے۔

سبق کا عنوان: کاہلی **مصنف کا نام:** سرسید احمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چنداں	بالکل	پھوہاڑ	اجڈ، بدسلیقہ
وحشی	غیر مہذب، جنگلی	قمار بازی	جوا کھیلنا

تشریح:

ضرورت اور عمل کا آپس میں گہرا تعلق ہے یہ ضروریات ہی ہوتی ہیں جو انسان کو مسلسل مصروف عمل رکھتی ہیں سرسید احمد خان کاہلی کا ایک سبب وسائل کا ضروریات کے مطابق ہونا بھی قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمارے سامنے ایک ایسے شخص کی مثال رکھتے ہیں جس کی آمدن اس کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو اور اس کے لیے اسے کسی طرح کی محنت و مشقت بھی نہ کرنا پڑتی ہو۔ تو اس کے بگڑنے کے امکانات بڑھ جائیں گے سرسید احمد خان ہندوستان کے بالائی طبقے کی مثال دیتے ہیں جن کی ملکیت میں بڑی بڑی جاگیریں تھیں اور انھیں کسی قسم کا ٹیکس (خراج) نہیں دینا پڑتا تھا۔ دولت کی فراوانی انسان کے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ "تمہاری اولاد اور مال تمھارے لیے آزمائش ہے۔" سرسید احمد خان کا موقف یہ ہے کہ جب دولت کی فراوانی ہو اور انسان اپنے قلب و ذہن کی توانائیوں کو کام میں نہ لائے تو اس کا ہمیشہ منفی نتیجہ نکلتا ہے اور انسان حیوانی مشاغل کو پسند کرنے لگتا ہے۔ اس کی ترجیحات میں مزے مزے کے کھانے شامل ہو جائیں گے۔ وہ جوا کھیلنے لگے گا اور آوارگی اس کے مزاج کا حصہ بن جائے گی۔ تماش بینی اس کا پسندیدہ مشغلہ ہو جائے گی۔ یہ ساری باتیں وہ ہیں جو اس جیسے وحشی (حیوانی سطح پر زندگی گزارنے والے) لوگوں میں ہوتی ہیں۔ اگر ان میں کوئی فرق ہو گا تو صرف اتنا کہ ان کا وحشی پن اجڈ اور پھوہڑ سطح پر ہو گا جبکہ یہ بظاہر مہذب اور وضع دار وحشی، اپنی اصل کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔

اصل میں انسان کی فضیلت اس بات میں نہیں کہ اس میں اور دوسرے حیوانوں میں کون سی باتیں مشترک ہیں انسان کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ کن امور میں دوسرے حیوانوں سے بہتر ہے اور وہ فضیلت سرسید احمد خان کے موقف کے مطابق قلب و ذہن کی صلاحیتوں کا استعمال ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

(الف) دلی قویٰ کو بے کار چھوڑ دینے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: دلی قویٰ کو بے کار چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی فکر، ذہانت اور عقل کو کام میں نہ لائے اور زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے کوئی عملی و تعمیری کام سرانجام نہ دے۔

(ب) انسان کب سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان جب دل کے قویٰ کو بے کار چھوڑ دیتا ہے تو وہ سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے۔

(ج) کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا کیوں لازم ہے؟

جواب: کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا اس لئے لازم ہے تاکہ انسان سست اور کاہل نہ ہو۔

(د) قوم کی بہتری کیسے ممکن ہے؟

جواب: قوم کی بہتری اس وقت ممکن ہے جب ہم کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہیں۔ سستی اور کاہلی کو چھوڑ دیں اور اپنے دلی قویٰ کو کام میں لائیں۔

سوال 2: سبق کاہلی کے متن کو مد نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) روٹی پیدا کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

(الف) آرام (ب) ✓ محنت (ج) سفارش (د) خوشامد

(ب) لوگ بہت کم کاہل ہوتے ہیں۔

(الف) بے فکر رہنے والے (ب) خوش گپیاں کرنے والے (ج) ✓ روزانہ محنت کرنے والے (د) خود میں مگن رہنے والے

(ج) ہر ایک انسان پر لازم ہے۔

(الف) اپنے بارے میں سوچے (ب) مزے دار کھانے کھائے (ج) حقے کے دھوئیں اڑائے (د) ✓ اپنے اندرونی قویٰ کو زندہ رکھے

(د) قوم کی بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(الف) ✓ کاہلی چھوڑ کر (ب) فکر مندی چھوڑ کر (ج) خوش و خرم رہ کر (د) پریشان رہ کر

سوال 3: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے میں سستی کرنا---------- ہے۔ (نیند، ✓ کاہلی، بے کاری، بے عملی)

(ب) جب اس کے دلی قویٰ کی تحریک سست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی --------- میں پڑ جاتا ہے۔ (انسانی خصلت، ✓ حیوانی خصلت، حیوانی جبلت، انسانی کمزوری)

(ج) ہمارے ملک میں، جو ہم کو اپنے قوائے دلی اور قوتِ عقلی کو کام میں لانے کا موقع نہیں رہا ہے، اس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہم نے ------- اختیار کی ہے۔ (✓ کاہلی، بے راہ روی، قمار بازی، تماش بینی)

(د) کسی شخص کے دل کو------- پڑا رہنا نہ چاہیے۔ (مصروف، فکر مند، ✓ بے کار، غم زدہ)

سوال 4: درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے۔

جوابات:

لفظ	متضاد
کاہلی	مستعدی
عقل	بے عقل
عارضی	دائمی
وحشی	مہذب
شک	یقین
مصروف	فارغ

سوال 5: درج ذیل بیانات میں سے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف) دلی قوئ کو بے کار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے۔ ✓

(ب) ہاتھ پاؤں کی محنت، اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لئے ضروری نہیں۔ ✗

(ج) یہ سچ نہیں ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں۔ ✗

(د) کاہلی ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ ✓

سوال 6: اعراب لگا کر درست تلفظ واضح کریں۔

جوابات:

رَفع	طَبیعَت	کَاہِل
	تحریک	قُوئ

Report any mistake ?
at : freeilm786@gmail.com
Want to get all subject notes ?
visit: freeilm.com

4 ۔ شاعروں کے لطیفے

مولانا محمد حسین آزاد

خلاصہ

مولانا محمد حسین آزاد صاحب طرز نثر نگار اور شاعر تھے۔ سبق شاعروں کے لطیفے ان کی کتاب آب حیات سے لیا گیا ہے میں شاعروں کی شاعرانہ اور نجی زندگی کے تذکرے پیش کئے گئے ہیں۔

1-ایک دن لکھنؤ میں میرؔ اور مرزاؔ کے کلام پر دو شخصوں میں تکرار نے طول کھینچا دونوں خواجہ باسط کے مرید تھے۔ اُن کے پاس گئے اور عرض کی آپ فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں صاحب کمال ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ میر صاحب کا کلام "آہ" ہے اور مرزا صاحب کا کلام "واہ" ہے۔

2-ایک دن مرزا سوداؔ مشاعرے میں بیٹھے تھے ایک شریف زادہ جس کی عمر 12 سے 13 برس تھی اس نے غزل پڑھی تو سوداؔ چونک پڑے اور کہا میاں لڑکے آپ جوان ہوتے نظر نہیں آتے۔ خدا کی قدرت انہی دنوں میں لڑکا جل کر مر گیا۔

3-انشاء اللہ خان ایک دن جرأت سے ملنے آئے وہ کچھ سوچ رہے تھے انشاء نے پوچھا کیا خیال کرتے ہو جرأت نے کہا ایک مصرع خیال میں آیا ہے خوب مصرع ہے چاہتا ہوں کہ مطلع ہو جائے لیکن تمہیں نہ بتاؤں گا۔ بہت اصرار پر جب انہوں نے مصرع سنایا تو اس کے دوسرے مصرع کو انشاء نے مزاحیہ رنگ دے دیا۔ جس پر جرأت ہنس پڑے اور لکڑی لے کر ان کے پیچھے دوڑے۔ جرات نابینا تھے۔

4-ایک مشاعرے میں شیخ امام بخش ناسخ جب پہنچے تو جلسہ ختم ہو چکا تھا۔ چند شعراء ابھی باقی تھے۔ جب شیخ صاحب نے مطلع پڑھا تو اس میں امام کا ذکر تھا اور چونکہ ان کا نام بھی امام بخش تھا اس لیے تمام اہل جلسہ نے نہایت تعریف کی۔

5-حیدر علی آتش کا ایک شاگرد بے روزگاری سے تنگ آکر بنارس جانا چاہتا تھا جب وہ ان سے ملنے کے لیے آیا اور کہا کہ کچھ فرمائش ہو تو فرما دیجئے۔ آپ ہنس کر بولے اتنا کام کرنا کہ وہاں کے خدا کو ذرا ہمارا سلام کر دینا۔ وہ حیران ہو کر بولے وہاں کا خدا کیا جدا ہے۔ خواجہ صاحب بولے کہ اگر یہاں وہاں کا خدا ایک ہے تو اس سے یہاں بھی مانگو وہ ضرور دے گا یہ سن کر ان کے شاگرد نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

6-ایک دن معمولی دربار تھا۔ ابراہیم ذوق بھی حاضر تھے۔ ایک مرشد زادہ ایک مرشد زادی کی طرف سے ایک عرض لے کر آیا اور بادشاہ سے کچھ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ حکیم احسن اللہ خان نے کچھ پوچھا تو صاحب عالم نے کہا کہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

7-مرزا غالب کی قاطع برہان بہت مشہور ہوئی بہت لوگوں نے تنقید بھی کی ہے کسی نے کہا کہ حضرت آپ نے فلاں شخص کی کتاب کا جواب نہ لکھا۔ آپ نے فرمایا "بھائی اگر کوئی گدھا تمہیں لات مارے تو تم اس کا کیا جواب دو گے"۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

ایک دن معمولی دربار تھا۔ استاد (ابراہیم ذوقؔ) بھی حاضر تھے۔ ایک مُرشد زادے تشریف لائے۔ وہ شاید کسی مرشد زادی یا بیگمات میں سے کسی بیگم صاحبہ کی طرف سے کچھ عرض لے کر آئے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خان بھی موجود تھے، انہوں نے عرض کی: "صاحب عالم! اس قدر جلدی، یہ آنا کیا تھا اور تشریف لے جانا کیا تھا؟" صاحب عالم کی زبان سے اس وقت نکلا کہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

سبق کا عنوان: شاعروں کے لطیفے **مصنف کا نام:** مولانا محمد حسین آزادؔ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مرشدزادے	شہزادہ	صاحب عالم	دنیا کے صاحب
عرض	درخواست	خوشی	مسرت

تشریح:

بہادر شاہ ظفر غیر رسمی دربار لگائے بیٹھے تھے۔ جس میں شیخ محمد ابراہیم ذوق بھی موجود تھے۔ ذوقؔ شاعری میں بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ اس نشست میں ایک شہزادے (بہادر شاہ ظفر کو ذوق اور غالب وغیرہ احتراماً پیر و مرشد کہتے تھے۔ اس نسبت سے شہزادے، مرشد زادے کہلاتے تھے) تشریف لائے، شاید کسی شہزادی یا کسی بیگم کی طرف سے کوئی درخواست لے کر آئے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی بات بادشاہ کے گوش گزار کی اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ انھیں جاتے دیکھ کر حکیم احسن اللہ خان جو شاہی طبیب بھی تھے اور وزیر اعظم کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے کہنے لگے کہ صاحب عالم (ولی عہد سلطنت کو عام طور پر صاحب عالم کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) اتنی جلدی رخصت ہو رہے ہیں یہ کیا آنا تھا اور کیا تشریف لے جانا تھا۔ شہزادے کے منہ سے بے ساختہ نکلا "اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے" کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے یعنی جیسے ماحول میں وہ رہتا ہے ویسے ہی اس کے رجحانات بھی تشکیل پاتے ہیں۔ قلعہ معلّٰی جسے لال قلعہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں دن رات شعر و ادب کی محفلیں جمتی تھیں۔ چنانچہ ماحول کے زیر اثر شہزادوں کا شعری ذوق بھی بہت تربیت یافتہ تھا۔ شہزادے نے حکیم احسن اللہ خان کو جو جواب دیا وہ نثری جملہ نہیں تھا بلکہ موزوں مصرع تھا۔ بادشاہ کو شہزادے کی حاضر جوابی اور موزونی طبع اچھی لگی انھوں نے مصرعے کی داد دی اور استاد محمد ابراہیم نے مصرع لگا کر اسے مطلع کی صورت دے دی۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

اقتباس نمبر2:

ایک شاگرد اکثر بے روزگاری کی شکایت سے سفر کا ارادہ ظاہر کیا کرتے تھے اور خواجہ صاحب (حیدر علی آتشؔ) اپنی آزاد مزاجی سے کہا کرتے تھے کہ میاں کہاں جاؤ گے؟ دو گھڑی مل بیٹھنے کو غنیمت سمجھو اور جو خدا دیتا ہے، اس پر صبر کرو۔ ایک دن وہ آئے اور کہا کہ حضرت! رخصت کو آیا ہوں۔ فرمایا: "خیر باشد کہاں؟" انہوں نے کہا: "کل بنارس کو روانہ ہوں گا۔" "کچھ فرمائش ہو تو فرما دیجیے۔ آپ ہنس کر بولے:" اتنا کام کرنا کہ وہاں کے خدا کو ذرا ہمارا بھی سلام کہ دینا۔" وہ حیران ہو کر بولے کہ حضرت! یہاں اور وہاں کا خدا جدا ہے؟ خواجہ صاحب نے کہا:"

جب خدا وہاں یہاں ایک ہے تو پھر ہمیں کیوں چھوڑتے ہو؟ جس طرح اس سے جا کر مانگو گے اُسی طرح یہاں مانگو، جو وہاں دے گا یہاں بھی دے گا۔" اس بات نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ سفر کا ارادہ موقوف کر دیا اور خاطر جمعی سے بیٹھ گئے۔

سبق کا عنوان: شاعروں کے لطیفے **مصنف کا نام:** مولانا محمد حسین آزادؔ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آزاد مزاجی	سادہ طبیعت، آزاد طبیعت	خاطر جمعی	تسلی
خیر باشد	خیر تو ہے	موقوف	ملتوی

تشریح:

خواجہ حیدر علی آتش کے ایک شاگرد اکثر ان سے اپنی بے روزگاری کا شکوہ کرتے جس پر خواجہ صاحب اسے تسلی دیتے اور کہتے تھے کہ کہاں جاؤ گے؟ یہ جو دو گھڑی آپس میں مل بیٹھتے ہیں اس سے ہی بہت سمجھو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا کرتا ہے اسے بہت کچھ سمجھو۔ آتش کے مزاج میں درویشی موجود تھی۔ آپ نے کبھی زندگی کی آسائشیں جمع کرنے کی کوشش نہ کی۔ کسی نواب کے دربار سے وابستہ نہ ہوئے۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی یہی تربیت دیتے کے اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے اسی پر توکل کرنا چاہیے۔ ایک دن آتش کے وہ شاگرد آئے اور کہا کہ میں رخصت ہونے آیا ہوں۔ آتش کے پوچھنے پر کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے شاگرد نے بتایا کہ کل بنارس جا رہا ہوں کوئی فرمائش ہو تو فرمایئے آتش ہنس پڑے اور کہا کہ " اتنا کام کرنا کہ وہاں کے خدا کو ذرا ہمارا بھی سلام کہہ دینا" وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ حضرت آپ نے یہ کیا کہا یہاں اور وہاں کا خدا الگ الگ تو نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا جب دونوں جگہ خدا ایک ہے تو پھر ہمیں کیوں چھوڑتے ہو؟ جس طرح وہاں جا کر اس سے مانگنا ہے اسی طرح یہاں اس سے مانگو۔ خواجہ صاحب کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کس قدر بھروسہ تھا۔ وہ کس توکل کے مالک تھے۔ ان کی بات دل کو لگنے والی ہے کہ جب دینے عطا کرنے والی ذات ایک ہے۔ تو اس کی عطا جگہ و مقام کی محتاج نہیں۔ یہ بات خواجہ صاحب کے شاگرد کے دل میں بھی اتر گئی اور اس نے سفر کا ارادہ ترک کر دیا اور سکون اور تسلی سے بیٹھ گیا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے لطیفے (لطیف بات جس میں دانائی کی بات چھپی ہو) کی صورت میں خواجہ حیدر علی آتش کی شخصیت اور مزاج میں موجود درویشی اور توکل کی صفت کی نشاندہی کی ہے۔

اقتباس نمبر 3:

ایک دن انشاءؔ اللہ خان، جرأت کی ملاقات کو آئے۔ دیکھا تو سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کس فکر میں بیٹھے ہو؟ جرأت نے کہا کہ ایک مصرع خیال میں آیا ہے، چاہتا ہوں کہ مطلع ہو جائے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہے؟ جرأتؔ نے کہا خوب مصرع ہے مگر جب تک دوسرا مصرع نہ ہو گا، تب تک نہ سناؤں گا، نہیں تو تم مصرع لگا کر اسے بھی چھین لو گے۔ سید انشاؔ نے بہت اصرار کیا۔ آخر جرأت نے پڑھ دیا:

اس زُلف پہ پھبتی شبِ دیجور کی سُوجھی

سید انشاؔ نے فوراً کہا:

اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سوجھی

جرأت ہنس پڑے اور اپنی لکڑی اٹھا کر مارنے کو دوڑے۔ دیر تک سید انشا آگے آگے بھاگتے پھرے اور یہ پیچھے پیچھے ٹٹولتے پھرتے۔

سبق کا عنوان: شاعروں کے لطیفے **مصنف کا نام:** مولانا محمد حسین آزادؔ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مطلع	غزل کا پہلا شعر	شبِ دیجور	تاریک رات
زلف	بال	ملاقات	ملن / وصال

تشریح:

ایک دن انشااللہ خان جرأت سے ملنے آئے، کیا دیکھتے ہیں کہ جرأت سر جھکائے سوچ بچار میں گم بیٹھے ہیں۔ انشا نے پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو؟ جرأت کہنے لگے کہ ایک مصرع موزوں ہوا ہے خواہش ہے کہ مطلع ہو جائے۔ انشا نے کہا کہ مصرع سناؤ۔ لیکن جرأت نے مصرع سنانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ پورا شعر ہو جائے پھر سناؤں گا ورنہ تم مصرع لگا کر اسے بھی چھین لوگے۔ جرأت کا یہ کہنا کہ تم مصرع لگا کر میرا مصرع چھین لوگے۔ انشااللہ خان کی موزونی طبع اور حاضر دماغی کا نا صرف اقرار ہے بلکہ اس میں ان کے لئے ستائش بھی موجود ہے کہ ایک ایک مصرع دونوں شاعروں کا ہونا تھا لیکن جرأت سمجھتے تھے کہ انشا کی گرہ یا تضمین ایسی ہو گی کہ پورا شعر انھی کا ہو جائے گا۔ جب سید انشا نے زیادہ اصرار کیا تو جرأت نے مصرع پڑھ دیا۔

ع اس زلف پہ پھبتی شبِ دیجور کی سوجھی

مطلب یہ کہ محبوب کی زلف کو دیکھ کر اندھیری رات کا خیال آیا۔ انشا نے فوراً کہا:

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

جرأت نابینا تھے بصارت سے محروم فرد کے لیے تو دنیا اندھیری ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے انشا نے مصرع لگایا۔ انشا کا مصرع سن کر جرأت ہنس پڑے اور اپنی لکڑی اٹھا کر مارنے کو دوڑے۔ دیر تک سید انشا آگے آگے بھاگتے رہے اور جرأت ان کے پیچھے پیچھے انھیں ڈھونڈتے پھرے۔ اقتباس سے انشا اور جرأت کے باہمی تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ دونوں کے تعلقات میں بڑی بے تکلفی تھی۔ اور اس زمانے میں لوگوں میں کتنی وضع داری اور مروت موجود تھی۔ جرأت نے جو سوچا اور کہا وہ صحیح تھا اور وقت نے ثابت کیا کہ لوگ جرأت کے مصرع کو بھول گئے لیکن سید انشا کا مصرع ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اقتباس نمبر 4:

میر اور مرزا کے کلام پر دو شخصوں نے تکرار میں طول کھینچا۔ دونوں خواجہ باسط کے مرید تھے۔ انہی کے پاس گئے اور عرض کی کہ آپ فرمائیں۔ انہوں نے کہا دونوں صاحب کمال ہیں، مگر فرق اتنا ہے کے میر صاحب کا کلام " آہ " ہے اور مرزا کا کلام " واہ " ہے۔

سبق کا عنوان: شاعروں کے لطیفے **مصنف کا نام:** مولانا محمد حسین آزادؔ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تکرار	بحث، بار بار کہنا	کمال	مہارت

آہ	کلمہ افسوس	واہ	کلمۂ تحسین

سیاق وسباق:

آب حیات سے ماخوذ اس سبق میں مولانا محمد حسین آزاد نے شاعروں کی نجی زندگی کے لطیف تذکرے پیش کیے ہیں۔ پہلے تذکرے میں میر اور مرزا سودا کے کلام کی آہ اور واہ میں تخصیص کی گئی ہے۔ دوسرے میں مرزا سودا کا نو عمر شاعر کے بارے میں نتیجہ خیز تبصرہ ہے۔ تیسرے میں انشاء کے جراًت کے مصرع کو مزاحیہ رنگ دینے کا ذکر ہے۔ چوتھے میں ناسخ کے بر محل شعر سنانے کا ذکر ہے۔ پانچویں میں آتش کی شاگرد کو توکل کے بارے میں اثر انگیز ہدایت کا ذکر ہے۔ چھٹے میں ذوق کے فی البدیہہ شعر مکمل کرنے کا ذکر ہے ساتویں میں غالب کا مدلل لطیف جواب پیش کیا گیا ہے۔

تشریح:

ادب کی تاریخ میں بعض اوقات ایک زمانے میں دو ایسے شاعر آجاتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن گروہ بندی یا ذاتی پسند کی بنا پر لوگ ان ہم عصر شاعروں کا موازنہ کرنے لگتے ہیں۔ ماضی میں میر تقی میر اور سودا، انیس اور دبیر نیز غالب اور ذوق کا آپس میں موازنہ بڑے زور وشور سے ہوتا رہا ہے۔ ہر شاعر کے چاہنے والے اپنے پسندیدہ شاعر کو مدمقابل سے برتر منوانے کی کوشش میں رہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے میر اور سودا کے حوالے سے خواجہ باسط کے دو مریدوں کا واقعہ تحریر کیا ہے کہ میر اور مرزا کے کلام پر دو افراد کی بحث کافی دیر تک چلتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو وہ خواجہ باسط کے پاس گئے اور ان سے عرض کی کہ آپ فیصلہ کیجئے۔ میر تقی میر بڑے شاعر ہیں یا مرزا محمد رفیع سودا، انہوں نے فرمایا کہ دونوں صاحب کمال ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کے دونوں شعرا نے بھی ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کیا ہے، میر اپنے زمانے میں اپنے علاوہ سودا ہی کو مکمل شاعر مانتے تھے اور سودا نے بھی میر کی عظمت کا اعتراف اپنی شاعری میں کیا ہے۔ لیکن دونوں شاعروں کا لب ولہجہ مختلف ہے۔ میر تقی میر کے یہاں ایک دردمندی اور دھیما پن ہے جب کہ سودا کے ہاں بلند آہنگی اور طنطنہ موجود ہے۔ اسی مجموعی لب ولہجے کو مدنظر رکھتے ہوئے، خواجہ باسط نے کہا کہ میر صاحب کا کلام " آہ " ہے اور مرزا کا کلام " واہ " ہے۔ " آہ " میر کے یہاں موجود المیہ لب ولہجے کی نشاندہی ہے اور " واہ " سودا کے طنطنے کا اظہار ہے۔

آزاد کی کتاب کو شائع ہوئے ڈیڑھ صدی بیت گئی اور خواجہ باسط کا بیان ظاہر ہے اس سے بھی کئی سال پہلے کا ہے لیکن یہ بیان آج بھی دونوں شاعروں کے کلام پر حتمی رائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے خواجہ باسط کے شعری ذوق اور تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

(الف) خواجہ باسط نے مؔیر اور مرزا کے کلام کے بارے میں کیا فرمایا؟

جواب: انہوں نے کہا کہ دونوں صاحب کمال ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میر صاحب کا کلام " آہ " اور مرزا صاحب کا کلام " واہ " ہے۔

(ب) شریف زادے کی غزل سن کر سوؔدا نے کیا کہا؟

جواب: سوؔدا نے تعریف کی اور کہا میاں لڑکے! جوان ہوتے نظر نہیں آتے۔

(ج) سید انشاء کے اسرار پر جرات نے کون سا مصرع پڑھا؟

جواب: جُرأت نے کہا "اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی"۔

(د) خواجہ صاحب اپنے اُس شاگرد سے کیا کہا کرتے تھے، جو اکثر بے روزگاری کی شکایت سے سفر کا ارادہ کیا کرتا تھا؟

جواب: حیدر علی آتش اپنی آزاد مزاجی سے کہا کرتے تھے کہ میاں کہاں جاؤ گے؟ دو گھڑی مل بیٹھنے کو غنیمت سمجھو اور جو خدا دیتا ہے، اس پر صبر کرو۔

(ہ) صاحب عالم کی زبان سے اُس وقت کیا نکلا جب حکیم احسن اللہ خاں نے جلدی سے اُن کے آنے اور جانے پر اظہار تعجب کیا؟

جواب: صاحب عالم کی زبان سے اس وقت نکلا کہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

سوال 2: درج ذیل بیانات میں سے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(الف) شعر تو میر کا ہے مگر داد خواہی اُن کی دادا کی معلوم ہوتی ہے۔ ✓

(ب) سوداؔ نے بہت تعریف کی اور کہا کہ میاں لڑکے بہت طویل عمر پاؤ گے۔ ✗

(ج) جرأت ہنس پڑے اور اپنی لکڑی اُٹھا کر مارنے کو دوڑے۔ ✓

(د) چونکہ نام بھی امام بخش تھا، اس لئے تمام اہل جلسہ خاموش رہے۔ ✗

(ہ) بھائی! اگر کوئی گدھا تمھارے لات مارے تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔ ✓

سوال 3: سبق کے متن کو مدِ نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) میر اور مرزا کے کلام پر تکرار کرنے والے کس کے مرید تھے؟

(الف) خواجہ میر دردؔ کے (ب) مرزا غالبؔ کے (ج) ابراہیم ذوقؔ کے (د) ✓ خواجہ باسط کے

(ب) انشاء اللہ خاں ایک دن کس کی ملاقات کو آئے؟

(الف) غالبؔ کی (ب) میر دردؔ کی (ج) ✓ جرأت کی (د) مصحفیؔ کی

(ج) یہ مصرع "اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی" کس شاعر کا ہے؟

(الف) انشاؔ کا (ب) ✓ جرأت کا (ج) دردؔ کا (د) میرؔ کا

(د) "قاطع برہان" کے مصنف کون ہیں؟

(الف) ذوقؔ (ب) مومنؔ (ج) ✓ غالبؔ (د) سوداؔ

سوال 4: متن کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) ایک دن لکھنؤ میں -------- کے کلام پر دو شخصوں نے تکرار میں طول کھینچا۔ (میر اور مرزا)

(ب) میر صاحب کا کلام ------- ہے، مرزا صاحب کا کلام ------- ہے۔ (آہ، واہ)

(ج) گرمی کلام پر ------- بھی چونک پڑے۔ (سودا)

(د) ------------ نے کہا کہ ایک مصرع خیال میں آیا ہے۔ (جرأت)

(ہ) جرات ہنس پڑے اور -------- اُٹھا کر مارنے کو دوڑے۔ (لکڑی)

(و) --------کو---------میں بہت دُور کی سوجھی۔ (اندھے، اندھیرے)

(ز) چونکہ نام بھی---------تھا اس لئے تمام اہل جلسہ نے نہایت تعریف کی۔ (امام بخش)

(ح) ایک شاگرد اکثر--------کی شکایت سے سفر کا ارادہ ظاہر کرتے تھے۔ (بے روزگاری)

(ط) ایک دن معمولی دربار تھا---------بھی حاضر تھے۔ (ابراہیم ذوق)

(ی) انہوں نے---------بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے۔ (آہستہ آہستہ)

سوال 5: الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
کمال	زوال	طرف دار	مخالف
گرمی	سردی	مطلع	مقطع
خاص	عام	بے روزگاری	روزگار

سوال 6: مذکر اور مونث الفاظ الگ الگ کریں۔

جوابات:

مذکر: کلام، طول، شور، چراغ، مصرع، مزاج

مونث: تکرار، آہ، قیامت، تعریف، قدرت، زلف، تسبیح، شکایت

سوال 7: مندرجہ ذیل پر اعراب لگائیں۔

کمال، مطلع، چراغ، اشتیاق، غنیمت

جوابات:

کَمَال

مَطلَع

چِرَاغ

اِشتِیَاق

غَنِیمَت

سوال 9: واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے۔

جوابات:

واحد	جمع	جمع	واحد

کمال	کمالات	بیگمات	بیگم
شعر	اشعار	خدام	خادم
مشاعرہ	مشاعرے		
شخص	اشخاص		

سوال10: کالم (الف) میں دیئے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
آہ	ٹک	واہ
پھپھولے	سودا	دل
ذرا	انشا	ٹک
مرزا	واہ	سودا
جرات	دل	انشا

Report any mistake ?
at : freeilm786@gmail.com
Want to get all subject notes ?
visit: freeilm.com

5 ۔ نصوح اور سلیم کی گفتگو

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

خلاصہ

ڈپٹی نذیر احمد کا شمار اُردو کے ارکان خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ اُردو کے پہلے ناول نگار تھے۔ توبۃ النصوح ان کا ایک مشہور ناول ہے۔ سبق "نصوح اور سلیم کی گفتگو" اسی ناول سے لیا گیا ہے۔

ہیضے کی بیماری میں مبتلا نصوح نے جب خواب میں عاقبت کا دل دہلا دینے والا منظر دیکھا تو ہڑبڑا اٹھا اور گزشتہ زندگی کی تلافی کا عہد کرنے لگا۔ اس نے اپنے بیٹے سلیم کو بالا خانے پر بلا لیا۔ سلیم ابھی سو کر اٹھا نہیں تھا مگر طلبی کی خبر سن کر فوراً جاگ اٹھا اور ماں سے اس بارے میں بے چینی سے پوچھنے لگا۔ ماں سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ مگر ہدایت کی کہ ابا جو کچھ پوچھیں اس کا جواب معقول انداز میں دینا۔ ابا جان نے مدرسے جانے کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا کہ بس جاتا ہوں، ابا نے پھر پوچھا کہ بھائی کے ساتھ جاتے ہو؟ سلیم نے جواب دیا کہ جی ہاں کبھی بھائی کے ساتھ اور کبھی اکیلا جاتا ہوں، سلیم نے بڑے بھائی کے بارے میں بتایا کہ وہ ہر وقت شطرنج اور گنجفہ رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پڑھا نہیں جاتا۔ جب ابا جان نے پوچھا کہ شطرنج کھیلتے ہو تو جواب ملا کہ بس مہرے پہچانتا ہوں اور چالیں جانتا ہوں مگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے تم بھی کھیلنے لگو گے یہ کہنا تھا نصوح کا۔ سلیم نے کہا کہ شطرنج میں میرا جی نہیں لگتا ہے۔ سبب پوچھنے پر جواب دیا کہ مجھے پسند نہیں ہے، ابا جان فرماتے ہیں کہ تم گنجفہ کھیلا کرو وہ آسان ہے، کیونکہ شطرنج میں طبیعت پر زیادہ زور پڑتا ہے۔ سلیم کہتا ہے کہ مجھے کھیلوں سے نفرت ہے مگر ابا حیرانی کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ میں نے خود تم کو کھیلتے دیکھا ہے۔ جواب ملا کہ پہلے مجھ کو دلچسپی تھی مگر اب نفرت ۔۔۔! آخر سبب کیا ہے؟

سلیم جواب دیتا ہے کہ آپ نے وہ چار گورے لڑکے تو دیکھے ہوں گے، ہاں بیٹا! مگر ہوا کیا؟ سلیم کہتا ہے کہ وہ نہایت شریف لڑکے ہیں، کوئی بڑا مل جائے تو سلام کرتے ہیں، آپس میں کبھی نہیں لڑتے، گالی دیتے ہیں اور نہ جھوٹ بولتے ہیں، کبھی کسی کی شکایت نہیں کی۔ ڈیڑھ گھنٹے کی چھٹی ہو تو بچے کھیلتے ہیں مگر وہ نماز پڑھتے ہیں۔ منجھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہے ایک دن میرا آموختہ یاد نہ تھا۔ مولوی صاحب ناخوش ہوئے اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کمبخت گھر سے گھر ملا ہے اسی کے پاس جا کر یاد کر لیا کر۔ میں نے اس سے پوچھا صاحب تم مجھے یاد کرواد وگے کیا؟ اس نے حامی بھر لی۔ اس کے بعد میں ان کے گھر گیا۔ ان کے گھر میں ایک بوڑھی عورت نماز پڑھ رہی تھی میں سیدھا دالان میں چلا گیا۔ جب حضرت بی (بوڑھی عورت) نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو کہا بیٹا اگرچہ تم نے مجھے سلام نہیں کیا مگر دعا دینا میرا فرض ہے۔ شرم کے مارے میں زمین میں گڑ گیا، اور پھر ادب سے سلام کیا، انہوں نے مجھے مٹھائی دی اور میں مدتوں ان کے گھر جاتا رہا۔ وہ مجھ سے بڑا انس رکھتی تھیں۔ اس وقت سے میرا دل کھیل کی باتوں سے اکتا گیا۔ (توبۃ النصوح)

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں، مگر کانوں کان خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں لڑکے بھرے پڑے ہیں، لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی ہیں۔ نہ کبھی لڑکے، نہ کبھی جھگڑتے، نہ گالی بکتے، نہ قسم کھاتے، نہ جھوٹ بولتے۔ نہ کسی کو چھیڑتے، نہ کسی پر آوازہ کستے۔ ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں، وہاں بھی ان کا یہی حال ہے۔ کبھی کسی نے ان کی جھوٹی شکایت بھی تو نہیں کی۔

سبق کا عنوان: نصوح اور سلیم کی گفتگو **مصنف کا نام:** ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کانوں کان خبر نہ ہونا	خبر کے بارے میں بالکل معلوم نہ ہونا	آوازہ کسنا	بلند آواز میں برا بھلا کہنا
کوڑیوں	بیسیوں، بہت سستے	واسطہ	تعلق، غرض

تشریح:

سلیم اپنے دوستوں کا تعارف کراتا ہے جن لڑکوں سے میری دوستی ہوئی ہے وہ بہت کم آمیز ہیں۔ یہ لوگ کئی سالوں سے اس محلے میں رہتے ہیں لیکن کسی کو ان کی خبر تک نہیں ہے۔ محلے میں ان گنت لڑکے موجود ہیں لیکن انہیں کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ سب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اوپر تلے کے چار بھائی ہیں لیکن کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں۔ اگرچہ لڑائی جھگڑا کوئی پسندیدہ سماجی عمل نہیں لیکن ہمارے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگ ایک دوسرے سے الجھ پڑتے ہیں۔ بات ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے۔ لڑائی جھگڑے کے دوران میں گالی گلوچ کرنا بھی ہمارے روزمرہ مشاہدے کا حصہ ہے۔ سلیم اپنے والد کو بتاتا ہے کہ میرے دوست اتنے اچھے ہیں کہ نہ تو وہ لڑتے جھگڑتے ہیں اور نہ کبھی گالی بکتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ نہ تو جھوٹ بولتے ہیں اور نہ قسم کھاتے ہیں۔ جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا دونوں باتیں اخلاقی طور پر ناپسندیدہ ہیں اگر انسان سچ بولتا ہو تو اسے قسم کھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جس طرح جھوٹ ساری برائیوں کی جڑ ہے اسی طرح سچ انسان کے کردار کی اصلاح کی بنیاد ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی تعلیمات میں سچ بولنے کو بنیادی اور مرکزی حیثیت دی۔ آپ نے اپنی نبوت کی بنیاد اپنے کردار کی سچائی پر رکھی۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔ سلیم اپنے دوستوں کے سچ بولنے کا ذکر کر کے بتاتا ہے کہ یہ بھائی صلح جو ہیں کسی کو نہیں چھیڑتے، کسی پر آواز تک نہیں کستے۔ ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ وہاں بھی ان کا رویہ بہت عمدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے لڑکوں نے کبھی ان کی جھوٹی شکایت بھی نہیں کی۔ انسان چونکہ گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر انھیں پورا نہیں کر سکتا۔ مل جل کر رہنے سے ایک انسان کے دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے رشتے تشکیل پاتے ہیں۔ ان تعلقات کو نبھانے میں انسان کا کردار سامنے آتا ہے۔ اس کے گھر کے ماحول کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کیسی ہوئی ہے اسی لیے حضور کا ارشاد ہے کے والدین اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس میں سب سے اچھی چیز بہترین تعلیم و تربیت ہے۔ سلیم کے دوستوں کی عادات کے مزاج کو دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تربیت بہت سلیقے سے کی گئی۔

اقتباس نمبر2:

جب حضرت بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا! گو تم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہے کہ میں تم کو دعا دوں۔ جیتے رہو، عمر دراز ہو، خدا نیک ہدایت دے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرت کے مارے زمین میں گڑ گیا اور فوراً میں نے اٹھ کر نہایت

ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا: بیٹا! بُرا مت ماننا، یہ بھلے مانسوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے، اس کو سلام کر لیا کرتے ہیں اور میں تم کو نہ ٹوکتی لیکن چونکہ تم میرے بچوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضروری تھا۔

سبق کا عنوان: نصوح اور سلیم کی گفتگو **مصنف کا نام:** ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عمر دراز	لمبی عمر	دستور	رواج
غیرت	خود داری	جتا دینا	احساس دلانا

تشریح:

سلیم نے اپنے والد کو بتایا کہ ایک دن میں اپنے دوستوں کے یہاں گیا تو دیکھا کہ ایک بزرگ خاتون پڑھنے میں مصروف ہیں۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا جب وہ خاتون اپنی پڑھائی سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگرچہ تم نے مجھے سلام نہیں کیا لیکن میرے لیے ضروری ہے کہ میں تمہیں دعا دوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے درازئ عمر اور نیکی و ہدایت حاصل ہونے کی دعا دی۔ برصغیر پاک و ہند میں روزمرہ معمولات میں کچھ اصول وضوابط کی پاسداری کی جاتی رہی ہے۔ مثلاً عمر میں چھوٹوں سے یہ توقع اور امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے سے عمر میں بڑوں کو سلام کرنے میں پہل کریں اور جواباً بزرگ چھوٹوں کو دعا دیں۔ اس طریقہ کار کا تعلق سماجی زندگی سے ہے رسم و رواج سے ہے کیونکہ اسلام میں تو سلام کہنے میں پہل کرنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں عمر کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا تعلق نہیں۔ حضورؐ ہمیشہ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد مقامی معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں کہ حضرت بی نے سلیم کے سلام نہ کرنے کو محسوس کیا اسے دعائیں تو دیں لیکن جتا بھی دیا۔ سلیم ان کے احساس دلانے پر شرمسار ہوا اور فوراً اُٹھ کر بڑے ادب سے انھیں سلام کیا۔ حضرت بی نے اپنے موقف کی وضاحت کی کہ بیٹا میری بات کا برا نہ ماننا۔ بھلے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے اسے سلام کر لیا کرتے ہیں۔ میں تمہارے رویے پر تمہیں کچھ نہ کہتی لیکن چونکہ کہ تم میرے بچوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو اس لیے تمھیں احساس دلانا ضروری تھا۔ ذمہ دار والدین نا صرف اپنی اولاد کی تربیت کا خیال رکھتے بلکہ ان کے دوستوں ان کے ملنے والوں کے بارے میں بھی باخبر رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جن لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے ان کا اثر اس پر کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوتا ہے۔ اچھی صحبت کا اچھا تو بری صحبت کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ حضرت بی نے سلیم کے رویے میں ایک کمی دیکھی تو اسے جتا دیا تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے اور ان کے بچوں پر بھی کوئی منفی اثر نہ پڑے۔

اقتباس نمبر3:

اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر نہیں اٹھا تھا کہ بیدارانے آجگایا کہ صاحب زادے اٹھیے، بالا خانے پر میاں بلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سنی، گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ مُنہ دھو، ماں سے آکر پوچھنے لگا: "اماں جان! تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلایا ہے؟"

سبق کا عنوان: نصوح اور سلیم کی گفتگو **مصنف کا نام:** ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
صاحبزادہ	بیٹا، برخوردار	طلب	بُلاوا
برس	سال	بالاخانہ	چھت پر بنا ہوا کمرا، چوبارہ

سیاق وسباق:

تشریح طلب طبع سبق کے آغاز سے لیا گیا ہے۔ سبق کے مرکزی کردار نصوح نے عالمِ خواب میں عاقبت کا دل دہلا دینے والا منظر دیکھا اور اصلاح کا سوچا۔ صبح سلیم کو چھت پر بلایا اور مدرسے جانے اور کھیل کے متعلق پوچھا۔ سلیم نے بتایا کہ بڑے بھائی ایک دوست کے گھر امتحان کی تیاری کر کے مدرسے جاتے ہیں اس لیے میں اکیلا جاتا ہوں اور جب سے چار شریف لڑکوں سے دوستی ہوئی کھیل پسند نہیں رہے۔ سلیم نے بتایا کہ ان لڑکوں کی نانی جان نے بھی اچھی باتیں سکھائی ہیں۔

تشریح:

اگلی صبح سلیم ابھی سو کر نہیں اٹھا تھا کہ ملازمہ نے آ کر جگایا اور بتایا کہ اس کے ابا اسے اوپر والی منزل پر بلا رہے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت دس برس سے تھوڑی کم تھی صبح صبح والد کے طلب کرنے پر گھبرا کر اٹھا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے ایک نو عمر بچے کی نفسیات کو بخوبی بیان کیا ہے۔ نو دس برس کے بچے کو اگر نیند سے جگا کر یہ خبر سنائی جائے کہ اس کے والد صاحب اُسے طلب کر رہے ہیں تو اس کا گھبرا جانا فطری امر ہے۔ چنانچہ بچہ اگر پریشان ہو جائے تو سب سے پہلے اپنی ماں سے رجوع کرتا ہے۔ سلیم نے بھی ایسا ہی کیا جلدی جلدی ہاتھ منہ دھویا اور ماں سے آ کر پوچھنے لگا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ ابا جان نے کیوں بلایا ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی میں باپ رعب داب کی علامت رہا ہے۔ باپ کا اولاد میں سے کسی کو طلب کرنا عام طور پر غیر معمولی صورتحال کو ظاہر کرتا ہے اور غیر معمولی صورتحال میں بچے عام طور پر گھبرا جاتے ہیں ایسے میں ماں کی چھتر چھایا میں ہی بچے پناہ لیتے ہیں کیونکہ اولاد کے لئے ماں کی موجودگی ان کے تحفظ کی علامت ہے۔ اولاد کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جیسی بھی صورت حال ہو گی ماں سے سنبھال لے گی۔ پھر گھر میں چونکہ ماں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے گھر میں سب سے باخبر فرد بھی وہی ہوتی ہے۔ جب ملازمہ نے سلیم کو آ کر جگایا اور یہ خبر دی کہ اس کے والد صاحب اسے بلا رہے ہیں تو فطری طور پر سلیم کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ اپنی ماں سے رجوع کرے۔ اس سے اصل صورت حال معلوم ہو جائے گی اور اگر اسے معلوم نہیں تو میرے پوچھنے پر اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ مجھے والد صاحب نے بلایا ہے تاکہ وہ بھی اس کے پاس موجود رہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) بیدار نے سلیم کو جگا کر کیا پیغام دیا؟

جواب: بیدار نے سلیم کو پیغام دیا کہ صاحبزادے اٹھیے، بالاخانے پر میاں بلاتے ہیں۔

(ب) سلیم کی ماں نے سلیم کے ساتھ نصوح کے پاس جانے سے کیوں انکار کیا؟

جواب: سلیم کی ماں نے سلیم کے ساتھ نصوح کے پاس جانے سے اس لیے انکار کیا کہ اُس کی گود میں لڑکی سوتی تھی۔

(ج) سلیم اپنے بھائی کے ساتھ مدرسے کیوں نہیں جاتا تھا؟

جواب: سلیم اپنے بھائی کے ساتھ مدرسے اس لیے نہیں جاتا تھا کیونکہ اُس کا بھائی امتحان کی تیاری کے سلسلے میں کافی دیر پہلے اپنے دوست کے گھر چلا جاتا تھا۔

(د) سلیم نے چار لڑکوں کی کیا خوبیاں بیان کیں؟

جواب: سلیم نے چار لڑکوں کے بارے میں بتایا کہ آپس میں چاروں بھائی ہیں۔ نہ کبھی لڑتے، نہ جھگڑتے، نہ گالی بکتے، نہ قسم کھاتے، نہ جھوٹ بولتے اور نہ ہی کسی کو چھیڑتے یا آوازیں کستے ہیں۔

(ہ) حضرت بی کون تھیں اور انہوں نے سلیم کو کیا نصیحت کی؟

جواب: حضرت بی ان چاروں بھائیوں کی نانی اماں تھیں۔ انہوں نے سلیم کو نصیحت کی کہ بیٹا برا مت ماننا یہ بھلے مانسوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے اسے سلام کر لیا کرتے ہیں۔

سوال 2: مندرجہ ذیل محاورات کے معنی لکھیں اور انہیں جملوں میں استعمال کریں۔

جوابات:

محاورہ	معنی	جملے
جی لگنا	دل لگ جانا، محبت ہونا	سلیم کا شطرنج کھیلنے میں جی نہیں لگتا تھا۔
کانوں کان خبر نہ ہونا	بالکل خبر نہ ہونا	چور نے ایسے انداز سے دیوار پھلانگی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔
آواز کسنا	طنز کرنا، بلند آواز سے پکارنا	آوارہ لڑکے ہمیشہ راہ چلتے لوگوں پر آوازیں کستے رہتے ہیں۔
زمین میں گڑ جانا	شرمندہ ہونا	سلیم کی جب چوری پکڑی گئی تو وہ مارے شرم کے زمین میں گڑ گیا۔
دل کھٹا ہونا	نفرت ہونا، کسی چیز سے دل اکتا جانا	جب سے کرکٹ میں میچ فکسنگ کا رجحان آیا ہے تب سے میرا دل کرکٹ سے کھٹا ہو گیا ہے۔

سوال 4: مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

جوابات:

الفاظ	جمع	الفاظ	جمع
خبر	اخبار	کتاب	کتب
مدرسہ	مدارس	امتحان	امتحانات
مشکل	مشکلات		

سوال 5: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کریں۔

صورت، تعجب، مسجد، عمر دراز، بسر و چشم

جوابات:

صُورَت

تَعَجُّب

مَسجِد

عُمرِ دَراز

بَسَر و چَشم

سوال 7: متن کو مد نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم -------کی تھی۔ (دس برس)

(ب) میں اوپر---------لینے گئی تھی۔ (لوٹا)

(ج) صورت سے---------تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔ (کچھ غصہ)

(د) سلیم ڈرتا ڈرتا--------گیا اور--------کر کے الگ جا کھڑا ہوا۔ (اوپر، سلام)

(ہ) اگلے مہینے--------------ہونے والا ہے۔ (امتحان)

(و) شاید مجھ کو عمر بھر بھی-------کھیلنی نہ آئے گی۔ (شطرنج)

(ز) بڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت---------ہوا کرتا ہے۔ (گنجفہ اور شطرنج)

سوال 8: متن کو مد نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سلیم کو کس نے آکر جگایا؟

(الف) نصوح نے (ب) ✓ بیدار نے (ج) ماں نے (د) حضرت بی نے

(ب) میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کیا کر رہے تھے؟

(الف) شطرنج کھیل رہے تھے (ب) کھانا کھا رہے تھے (ج) ✓ کتاب پڑھ رہے تھے (د) لکھ رہے تھے

(ج) ماں کی گود میں کون سویا ہوا تھا؟

(الف) بلی (ب) سلیم (ج) ✓ لڑکی (د) بیدار

(د) سلیم ڈرتا ڈرتا کہاں گیا؟

(الف) مدرسے (ب) بازار (ج) مسجد (د) ✓ اوپر

(ہ) اکثر کون گھبرایا کرتا ہے؟

(الف) ✓ مبتدی (ب) چور (ج) جھوٹا (د) نالائق

(و) کھیل کے پیچھے کون دیوانہ بنا رہتا تھا؟

(الف) نصوح (ب) ✓ سلیم (ج) بیداد (د) منجھلا لڑکا

Report any mistake ?

at : freeilm786@gmail.com

Want to get all subject notes ?

visit: freeilm.com

6 ۔ پنچایت

منشی پریم چند

خلاصہ

منشی پریم چند کا شمار اُردو کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ سبق پنچایت ان کا ایک مشہور افسانہ ہے جس میں انصاف کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

جمن شیخ اور الگو چودھری میں بڑا یارانہ تھا۔ ایک کو دوسرے پر مکمل یقین تھا۔ جمن جب حج کرنے گئے تو اپنا گھر الگو کو سونپ گئے۔ اس دوستی کا آغاز اس زمانے میں ہوا جب دونوں لڑکے جمن کے پدر بزرگوار شیخ جمعراتی کے روبرو زانوے ادب تہ کیا کرتے۔ شیخ جمن کی ایک بوڑھی بیوہ خالہ تھیں۔ ان کے پاس کچھ تھوڑی سی ملکیت تھی لیکن وارث کوئی نہ تھا۔ جمن نے سبز باغ دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرالی تھی۔ جب تک ہبہ نامہ پر رجسٹری نہ ہوئی تھی۔ خالہ کی خوب خاطر داریاں ہوتی تھیں لیکن جمن کے نام رجسٹری ہوتے ہی خالہ کی خاطر داریوں پر مہر ہو گی۔

کچھ دن تک خالہ نے دیکھا مگر جب برداشت نہ ہوا تو جمن سے شکایت کی کہ "میرا تمہارے ساتھ نباہ نہ ہو گا تم مجھے روپے دے دیا کرو میں اپنا الگ پکالوں گی"۔ جمن نے بے اعتنائی سے جواب دیا: "روپیہ کیا یہاں پھلتا ہے؟ میرا خون چوس لو، میں کوئی یہ تھوڑے ہی سمجھتا تھا کہ تم خواجہ خضر کی حیات لے کر آئی ہو"۔

خالہ جان اپنے مرنے کی بات نہیں سن سکتی تھیں۔ جامے سے باہر ہو کر پنچایت کی دھمکی دی۔ جمن ہنسے "ضرور پنچایت کرو مجھے بھی رات دن کا وبال پسند نہیں"۔ اس کے بعد کئی دن تک بوڑھی خالہ لکڑی لیے آس پاس کے گاؤں کے چکر لگاتی رہیں۔ گھوم گھام کر بڑھیا الگو چودھری کے پاس آئی اور کہا کہ بیٹا تم بھی گھڑی بھر کو میری پنچایت میں چلے آنا۔

الگو نے بے رخی سے کہا مجھے بلا کر کیا کرو گی؟ جمن میرے پرانے دوست ہیں۔ اس سے بگاڑ نہیں سکتا۔ خالہ نے تاک کر نشانہ مارا: بیٹا کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کے بات نہ کہو گے؟ شام کو ایک پیڑ کے نیچے پنچایت بیٹھی۔ بڑھیا نے اپنا دکھ بیان کیا۔

رام دھن مصر بولے۔ جمن میاں! پنچ کسے بناتے ہو؟ جمن نے کہا خالہ جسے چاہیں پنچ بنائیں۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ خالہ نے الگو چوہدری کو پنچ چنا۔

جمن فرط مسرت سے باغ باغ ہو گیا۔ الگو بغلیں جھانکنے لگا لیکن خالہ نے کہا کہ بیٹا دوستی کے لئے کوئی اپنا ایمان نہیں بیچتا۔ الگو چوہدری نے کہا: شیخ جمن ہم اور تم پرانے دوست ہیں۔ یہ انصاف اور ایمان کا معاملہ ہے۔ خالہ نے اپنا حال کہہ سنایا۔ تم کو بھی جو کچھ کہنا ہے کہو۔

جمن نے کہا کہ میں خالہ کو اپنی ماں کے برابر سمجھتا ہوں۔ ہاں عورتوں میں ان بن رہتی ہے۔ کھیتوں کی حالت کسی سے چھپی نہیں۔ آگے پنچوں کا حکم سر اور ماتھے پر۔

الگو قانونی آدمی تھے۔ جرح ختم ہونے کے بعد فیصلہ سنایا۔ شیخ جمن تمہیں چاہیے کہ خالہ جان کے ماہوار گزارے کا بندوبست کر دو۔ ورنہ ہبہ نامہ منسوخ ہو جائے گا۔ جمن نے جب یہ فیصلہ سنا تو سناٹے میں آ گیا۔ اس فیصلے نے الگو اور جمن کی دوستی کی جڑیں ہلا دیں۔ جمن کو انتقام کی خواہش چین نہ لینے دیتی تھی۔ خوش قسمتی سے موقع بھی جلد مل گیا۔

الگو چودھری پچھلے سال میلے سے بیلوں کی ایک اچھی گوئیاں مال لائے تھے۔ پنچایت کے ایک مہینہ بعد ایک بیل مر گیا۔ باقی ایک بیل کس کام کا؟ اس کا جوڑا بہت ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ ناچار اسے بیچ ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ ایک سمجھو سیٹھ تھے۔ انہیں بیل کی ضرورت تھی۔ اس بیل پر ان کی طبیعت لہرائی۔ دام کے لیے ایک مہینے کا وعدہ ہوا۔ چودھری بھی غرض مند تھے۔ گھاٹے کی کچھ پروانہ کی۔ سمجھو نے نیا بیل پایا۔ منڈی لے گئے وہاں کچھ سوکھا بھس ڈال دیا۔ غریب جانور ابھی دم بھی نہ لینے پاتا کہ پھر جوت دیا۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا۔ بیل جگر توڑ کر چلا۔ سیٹھ کو جلد گھر پہنچنے کی فکر۔ کئی کوڑے بے دردی سے لگائے۔ بیل زمین پر گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔ سیٹھ نے وہیں رت جگا کرنے کی ٹھان لی۔ اپنی دانست میں وہ جاگتے رہے مگر جب پو پھٹی تو دیکھا کہ نہ پیسوں والی تھیلی تھی نا اس کا سامان۔ سر پیٹ لیا۔ صبح کو بہ ہزار خرابی گھر پہنچے۔

اس واقعے کو کئی ماہ گزر گئے۔ الگو جب اپنے بیل کی قیمت مانگتے تو سیٹھ اور سیٹھانی دونوں جھلائے ہوئے کتوں کی طرح چڑھ بیٹھتے۔ بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ مجادلے کی نوبت آ پہنچی۔ چند معزز لوگوں نے پنچایت کا مشورہ دیا۔ دونوں مائل ہو گئے۔

تیسرے دن اسی سایہ دار درخت کے نیچے پھر پنچایت بیٹھی۔ رام دھن مصر نے کہا۔ بولو چوہدری! کن کن آدمیوں کو پنچ بناتے ہو؟ الگو نے جواب دیا" سمجھو سیٹھ ہی چن لیں۔" سمجھو سیٹھ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں شیخ جمن کو چنتا ہوں۔ الگو نے جمن کا نام سنا تو کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ شیخ جمن کو اپنی عظیم الشان ذمہ داری کا احساس ہوا تو اس نے سوچا کہ خدا کے حکم میں میری نیت کو مطلق دخل نہ ہونا چاہیے۔

پنچایت شروع ہوئی۔ فریقین نے اپنے حالات بیان کیے۔ جمن نے اپنا فیصلہ سنایا" سمجھو کو بیل کی پوری قیمت دینا واجب ہے۔ جس وقت بیل ان کے گھر آیا اس کو کوئی بیماری نہ تھی۔ اگر قیمت اسی وقت دے دی گئی ہوتی تو سمجھو اسے واپس لینے کا ہرگز تقاضا نہ کرتے۔" یہ فیصلہ سنتے ہی چودھری پھولے نہ سمائے۔

ایک گھنٹے کے بعد جمن شیخ الگو کے پاس آئے اور ان کے گلے لپٹ کر بولے۔" بھیا! جب تم نے میری پنچایت کی میں دل سے تمہارا دشمن تھا۔ مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ پنچایت کی مسند پر بیٹھ کر نہ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن۔ انصاف کے سوا اسے کچھ نہیں سوجھتا۔" الگو رونے لگے، دل صاف ہو گئے۔ دوستی کا مرجھایا ہوا درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر 1:

بوڑھی خالہ نے اپنی دانست میں تو گریہ وزاری کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، خوبیِ تقدیر کوئی اس طرف مائل نہ ہوا۔ کسی نے تو یوں ہی ہاں ہوں کر کے ٹال دیا؛ کسی نے زخم پر نمک چھڑک دیا۔ چاروں طرف سے گھوم گھام کر بوڑھیا الگو چودھری کے پاس آئی۔ لاٹھی پٹک دی اور دَم لے کر کہا۔

سبق کا عنوان: پنچایت **مصنف کا نام:** منشی پریم چند

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گریہ وزاری	رونا پیٹنا	دَم لے کر	سانس لے کر

دانست سمجھ، ادراک زخم پر نمک چھڑکنا سخت تکلیف دینا

سیاق وسباق:

الگو چوہدری اور شیخ جمن میں دوستی تھی اور دونوں کی دوستی کا آغاز شیخ جمعراتی سے تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہوا۔ جمن نے سبز باغ دکھا کر بوڑھی خالہ کی جائیداد ہتھیالی۔ خالہ نے پنچایت کا سہارا لیا۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔ بعد کے سبق میں سرپنچ الگو بنا، اُس نے جمن کے خلاف انصاف سے فیصلہ دیا۔ الگو اور جمن میں دشمنی ہو گئی۔ پھر الگو نے بیل سمجھو سیٹھ کو بیچا۔ وقت مقررہ پر سمجھو سیٹھ نے رقم ادا نہ کی۔ بلآخر معاملہ پنچایت تک پہنچا۔ اب جمن سرپنچ بنائے گئے جنہوں نے حق کے ساتھ فیصلہ سناتے ہوئے الگو کے حق میں فیصلہ دیا۔ اسی طرح دونوں کی دشمنی پھر سے دوستی میں بدل گئی۔

تشریح:

شیخ جمن نے خالہ کی زمین ہتھیانے کے بعد ان سے بدسلوکی کرنا شروع کی تو خالہ پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے پہلے تو شیخ جمن کو احساس دلانے کی سعی کی لیکن جب اس نے کوئی توجہ نہ دی تو خالہ نے سماجی دباؤ ڈالنے کے لیے گاؤں کے لوگوں کو اپنی بپتا سنانا شروع کی کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ معاشرتی زندگی میں کسی بھی شخص کی طرف سے ہونے والی ناانصافی یا بدسلوکی کو روکنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے ناپسندیدہ عمل کی تشہیر کی جائے تاکہ وہ لوگوں کی ناپسندیدگی سے بچنے کے لیے یا لوگوں کی باتوں سے دب کر اپنی اصلاح کر لے کیونکہ کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اسے برا سمجھیں یا برا کہیں۔ اس کا ذکر اچھے الفاظ کی بجائے برے لفظوں میں کیا جائے۔ اسی سماجی رویے کو سامنے رکھتے ہوئے خالہ نے شیخ جمن کے کرتوت لوگوں کے سامنے رکھنا شروع کیے۔ بیچاری نے اپنی طرف سے پوری کوشش کر کے دیکھ لی۔ سب کے سامنے رو پیٹ کر دیکھ لیا لیکن ان کی بدقسمتی کہ کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ان کی آہ وزاری ان کا رونا دھونا بیکار گیا۔ لوگوں نے بوڑھی عورت کی باتوں کو اس قابل نہ سمجھا کہ اس کی دادرسی ہو سکتی۔ کوئی سن کے ہوں ہاں کر کے ڈال دیتا۔ تو کوئی الٹا اس کے زخموں پر نمک چھڑکتا۔ ہمارے یہاں عام طور پر لوگ دوسروں کے مسائل میں الجھنے سے بچتے ہیں۔ تو دوسری طرف یہ رویہ بھی عام ہے کے جب وہ کسی شخص کو مصیبت میں دیکھتے ہیں تو اپنا غبار نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب خالہ ہر طرف سے مایوس ہو گئی تو شیخ جمن کے دوست الگو کے پاس پہنچ گئی اور اپنی لاٹھی ایک طرف پٹک کر اسے اپنی کہانی سنائی اور کہا کہ الگو پنچایت میں اس کی طرف سے بیٹھے۔ یہ خالہ کے موقف کی سچائی تھی جس نے یہ نہ دیکھا الگو شیخ جمن کا دوست ہے اور خالہ کو یقین تھا کہ سچائی ہمیشہ جیتا کرتی ہے۔

اقتباس نمبر2:

پنچو! آج تین سال ہوئے، میں نے اپنی سب جائیداد اپنے بھانجے جمن کے نام لکھ دی تھی، اسے آپ لوگ جانتے ہوں گے۔ جمن نے مجھے تاحینِ حیات روٹی کپڑا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سال چھ مہینے تو میں نے ان کے ساتھ کسی طرح رو دو کر کاٹے مگر اب مجھ سے رات دن کا رونا نہیں سہا جاتا۔ مجھے پیٹ کی روٹیاں تک نہیں ملتیں۔ بے کس بیوہ ہوں۔ تھانہ کچہری کر نہیں سکتی، سوائے تم لوگوں کے اور کس سے اپنا دکھ درد روؤں۔ تم لوگ جو راہ نکال دو، اس راہ پر چلوں، اگر میری بُرائی دیکھو، میرے مُنہ پر تھپڑ مارو، جمن کی بُرائی دیکھو، تو اسے سمجھاؤ۔ کیوں ایک بے کس کی آہ لیتا ہے؟ "

سبق کا عنوان: پنچایت مصنف کا نام: منشی پریم چند

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تا حینِ حیات	ساری زندگی	بے کس	بے سہارا، بے بس
جائیداد	ملکیت، زمین	کچہری	عدالت، انصاف گاہ

تشریح:

تشریح طلب اقتباس پنچایت کے سامنے خالہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ خالہ پنچوں سے مخاطب ہو کر اپنا موقف بیان کرتی ہے کہ تین سال ہو گئے ہیں کہ میں نے اپنی جائیداد اپنے بھانجے جمن کے نام لکھ دی تھی اور اس نے میرے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے زندگی بھر کھانا، کپڑا اور رہائش فراہم کرے گا لیکن وہ اپنے وعدے پر پورا نہیں اُترا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

"جس کا عہد نہیں اس کا ایمان نہیں"

وعدے کے ایفا کو یہ اہمیت اس لئے دی گئی کہ معاشرتی زندگی کے معمولات وعدوں پر ہی چلتے ہیں۔ فرد کے فرد کے ساتھ، جماعت کے جماعت کے ساتھ، قوم کے قوم کے ساتھ ملک کے ملکوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد یا وعدے ہی ان کے درمیان موجود تعلقات کی بقا کے ضامن ہوتے ہیں اگر کوئی بھی فریق وعدہ خلافی کرتا ہے تو اس کے اور دوسرے فریق کے معاملات گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔ خالہ نے پنچایت میں شیخ جمن کی وعدہ خلافی کی دہائی اس لیے دی کہ وہاں موجود لوگوں کو اس امر کا اندازہ ہو جائے کہ شیخ جمن کے اس رویے کے نتیجے میں خالہ پر کیا گزر رہی ہے۔ خالہ نے اس امر کی وضاحت بھی کی کہ میں نے چھ مہینے تو کسی نہ کسی طرح رو دھو کر گزار دیئے لیکن اب ہر وقت کا رونا میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ مجھے اتنا کھانا بھی نہیں ملتا کہ اپنا پیٹ بھر سکوں۔ میرا کوئی سہارا تو ہے نہیں، بیوہ ہوں۔ اس قابل بھی نہیں کہ اپنا مسئلہ عدالت لے کر جاؤں۔ پولیس اور کچہری کے چکر میں پڑنے کی نہ میری عمر ہے نہ بساط۔ میرے لئے یہی ممکن تھا کہ میں آپ لوگوں کے سامنے اپنے دکھڑا روؤں، اپنا مسئلہ بیان کروں، اور تم لوگ کوئی ایسا راستہ نکالو جس پر میں چل سکوں۔ اگر تم لوگ دیکھو کہ میری غلطی ہے تو مجھے سزا دو اور اگر جمن غلطی پر ہے تو اسے سمجھاؤ کہ کیوں ایک بیوہ کی بد دعا لیتا ہے۔ خالہ نے پنچایت میں آکر بڑے تحمل کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا اور شیخ جمن کو برا بھلا کہنے کی بجائے عاجزانہ انداز اختیار کیا کہ وہ کیوں بیوہ کی بد دعا لیتا ہے۔

اقتباس نمبر 3:

" بھیا! جب سے تم نے میری پنچایت کی ہے۔ میں دل سے تمہارا دشمن تھا مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ پنچایت کی مسند پر بیٹھ کر نہ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے اور نہ دشمن۔ انصاف کے سوا اور اسے کچھ نہیں سوجھتا۔"

الگو رونے لگے، دل صاف ہو گئے، دوستی کا مرجھایا ہوا درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔ اب وہ چالوں کی زمین پر نہیں، حق اور انصاف کی زمین پر کھڑا تھا۔

سبق کا عنوان: پنچایت **مصنف کا نام:** منشی پریم چند

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مسند	کرسی	ہرا ہونا	تازہ ہونا، سرسبز و شاداب ہونا
انصاف	عدل	دشمن	عدو

تشریح:

انسان گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے اس کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر انھیں پورا نہیں کر سکتا۔ انسان کے مل جل کر رہنے کے نتیجے میں ایک انسان کے دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے رشتے تشکیل پاتے ہیں جن میں سے ایک نہایت اہم رشتہ دوستی کا رشتہ ہے۔ شیخ جمن اور الگو آپس میں دوست تھے۔ لیکن جب پنچایت میں انصاف کی بات آئی تو الگو نے دوستی کی بجائے انصاف کے راستے کا انتخاب کیا۔ دونوں کی دوستی ختم ہو گئی اتفاقاً الگو کا ایک مسئلہ پنچایت میں آ گیا اس مرحلے پر شیخ جمن نے بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑا۔ یوں شیخ جمن کا دل الگو کی طرف سے صاف ہو گیا۔ اس نے الگو سے اپنے دل کی بات کی اور کہا کہ جب سے تم نے میرے خلاف فیصلہ کیا تھا تو میں دل سے تمہارا دشمن ہو گیا تھا کہ تم نے اتنی پرانی دوستی کا خیال نہ کیا اور خالہ کے حق میں فیصلہ دے دیا لیکن آج جب میں خود انصاف کی مسند پر بیٹھا ہوں تو مجھے اندازہ ہوا ہے۔ منصف کسی کا دوست یا دشمن نہیں ہوتا۔ معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"عدل سے کام لیا کرو چاہے اس میں تمہارا یا تمہارے قریب لوگوں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو"

حضورؐ نے فرمایا:

"یاد رکھو گزشتہ امتیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ وہ عام لوگوں کو تو سزا دے دیتے
تھے لیکن بارسوخ افراد کو کچھ نہیں کہتے تھے۔"

معاشرتی زندگی کے معاملات میں عدل و انصاف فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف منشی پریم چند ہمیں متوجہ کرتے ہیں کہ مسند انصاف پر بیٹھنے والے شخص کو اپنا پرایا دوست دشمن یا امیر غریب نہیں دیکھنا ہوتا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات شیخ جمن کو اس وقت سمجھ آئی جب خود انہوں نے فیصلہ کیا۔ شیخ جمن کی بات سن کر الگو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دونوں کے دل صاف ہو گئے اور وہ پرانی دوستی جو غلط فہمی کی بنیاد پر ٹوٹ گئی تھی اس کی تجدید ہو گئی۔ اب دوستی کا رشتہ کسی بھی طرح کی چال بازی پر نہیں بلکہ انصاف اور سچائی کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) جمن شیخ اور الگو چودھری میں دوستی کا آغاز کب ہوا؟

جواب: جمن شیخ اور الگو چودھری میں دوستی کا آغاز اس زمانہ میں ہوا جب دونوں لڑکے جمن کے پدر بزرگوار شیخ جمعراتی کے روبرو زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

(ب) شیخ جمن کی بیوہ خالہ کی ملکیت کے ہبہ نامے کی رجسٹری کے بعد خالہ سے کیسا سلوک تھا؟

جواب: شیخ جمن کی بیوہ خالہ کی ملکیت کے ہبہ نامے کی رجسٹری شیخ جمن کے نام ہو جانے کے بعد شیخ جمن نے بوڑھی خالہ کی خاطر داریاں ختم کر دیں۔ خالہ کی شکایت پر شیخ جمن بے اعتنائی سے پیش آیا۔

(ج) الگو چودھری کے پنچ مقرر ہونے پر شیخ جمن کیوں خوش تھا؟

جواب: الگو چودھری کے پنچ مقرر ہونے پر شیخ جمن اس لئے خوش تھا کیوں کہ اس کی الگو چودھری کے ساتھ دوستی تھی اور جمن کے خیال میں تھا کہ الگو چودھری فیصلہ کرتے وقت دوستی کا خیال کرتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ سنائے گا۔

(د) الگو چودھری نے کیا فیصلہ دیا؟

جواب: الگو چودھری نے فیصلہ سنایا۔ "شیخ جمن! پنچوں نے اس معاملے پر اچھی طرح غور کیا۔ زیادتی سراسر تمہاری ہے۔ کھیتوں سے معقول منافع ہوتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ خالہ جان کے ماہوار گزارے کا بندوبست کر دو۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو ہبہ نامہ منسوخ ہو جائے گا۔

(ہ) الگو چوہدری کا فیصلہ سن کر شیخ جمن کا ردعمل کیا تھا؟

جواب: جمن نے فیصلہ سنا اور سناٹے میں آ گیا۔

(و) الگو چودھری نے سمجھو سیٹھ کو بیل کیوں فروخت کیا؟

جواب: الگو چودھری نے میلے سے دو بیل خریدے تھے۔ ایک بیل مر گیا۔ دوسرا اس کے کسی کام کا نہ تھا۔ اس کا جوڑا بہت ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ ناچار اسے بیچنے کی صلاح ہوئی۔

(ز) سمجھو سیٹھ نے الگو چودھری سے خریدے ہوئے بیل کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

جواب: سمجھو سیٹھ بیل کو منڈی لے گئے۔ وہاں کچھ سوکھا بُھس ڈال دیا اور غریب جانور ابھی دَم بھی نہ لینے پایا تھا کہ پھر جوت دیا۔ مہینے بھر میں بیچارے کا کچو مر نکل گیا۔ یکے کا جوا دیکھتے ہی بے چارے کا ہاؤ چھوٹ جاتا؛ ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا؛ ہڈیاں نکل آئی تھیں؛ لیکن اصیل جانور، مار کی تاب نہ تھی۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا، دن بھر کا تھکا جانور، پیر مشکل سے اٹھتے تھے۔ اس پر سیٹھ جی کوڑے رسید کرنے لگے۔ بیل جگر توڑ کر چلا۔ کچھ دور دوڑا۔ چاہا کہ ذرا دم لے، ادھر سیٹھ جی کو جلد گھر پہنچنے کی فکر، کئی کوڑے بے دردی سے لگائے۔ بیل نے ایک بار پھر زور لگایا، مگر طاقت نے جواب دے دیا۔ زمین پر گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔

(ح) الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ نے کون سا تنازع پنچایت کے سامنے پیش کیا؟

جواب: الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ نے بیل کا تنازع پنچایت کے سامنے پیش کیا۔

(ط) شیخ جمن نے فیصلہ سناتے ہوئے انصاف کے اصولوں کو کہاں تک پورا کیا؟

جواب: شیخ جمن کو اپنی عظیم الشان ذمہ داری کا احساس تھا۔ اس نے انصاف کے تمام اصولوں کو پورا کیا۔

سوال 2: سبق کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) جمن شیخ اور الگو چودھری میں بڑا-------تھا۔ (یارانہ)

(ب) جمن جب حج کرنے گئے تھے تو------الگو کو سونپ گئے تھے۔ (اپنا گھر)

(ج) ان کے باپ--------کے آدمی تھے۔ (پرانی وضع)

(د) شیخ جمعراتی خود دعا اور فیض کے مقابلے میں---------کے زیادہ قائل تھے۔ (تازیانے)

(ر) جمن نے وعدے وعید کے----------دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرا لی تھی۔ (سبز باغ)

(ہ) خالہ جان اپنے--------کی بات نہیں سن سکتی تھیں۔ (مرنے)

(و) بوڑھی خالہ نے اپنی دانست میں تو کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ (گریہ وزاری)

(ز) شیخ جمن کو بھی اپنی--------زمے داری کا احساس ہوا۔ (عظیم الشان)

(ح) دوستی کا--------درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔ (مرجھایا ہوا)

سوال 3: سب کو مد نظر رکھ کر درست اور غلط جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) الگو جب کبھی باہر جاتے تو جمن پر اپنا گھر چھوڑ جاتے۔ ✓

(ب) الگو کے باپ نئے انداز کے آدمی تھے۔ ✗

(ج) الگو کی ایک بوڑھی، بیوہ خالہ تھیں۔ ✗

(د) کئی دن تک بوڑھی خالہ لکڑی لیے آس پاس کے گاؤں کے چکر لگاتی رہیں۔ ✓

(ہ) جمن نے بڑھیا کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ ✗

(و) شیخ جمن اپنی خالہ کو ماں کے برابر سمجھتے تھے۔ ✗

(ز) الگو قانونی آدمی نہیں تھے۔ ✗

(ح) ایک ایک سوال جمن کے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگتا تھا۔ ✓

(ط) پنچایت کے ایک ہفتے بعد ایک بیل مر گیا۔ ✗

(ی) سمجھو سیٹھ منڈی سے تیل نمک لاد کر لاتے اور گاؤں میں بیچتے تھے۔ ✓

(س) رام دھن نے پہلا نام جمن کا سنا تو کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ ✗

(ص) شیخ جمن کو پنچ بن کر اپنی ذمے داری کا احساس نہ ہوا۔ ✗

free ilm فری علم

سوال 4: مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی لکھیے۔

جوابات:

الفاظ	معنی
ساجھا	مشترک، حصہ داری
زانوئے ادب تہ کرنا	مودب بیٹھنا، شاگرد ہونا
وضع	بناوٹ، شکل
رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ
صلح پسند	امن پسند، سکون پسند
تا حینِ حیات	زندگی بھر
پنچ	پنچایت کرنے والا، ثالث

سوال 5: مندرجہ ذیل الفاظ کی مونث لکھیں۔

الفاظ	مونث	الفاظ	مونث
استاد	استانی	شیخ	شیخانی
سیٹھ	سیٹھانی	چودھری	چودھرائن

بیل گائے

سوال6: اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

جوابات:

تُھکّانہ	پُرسِش	زَانُوئے اَدَب
مُبَاحَثہ	تَصفِیَہ	وَضَع
	رُسُوخ	تَحصِیل علم
	مَنطِق	فَروگُذاشت

سوال8: عبارت کی تشریح کریں۔ سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیں۔

"بھیا! جب سے تم نے---------- حق اور انصاف کی زمین پر کھڑا تھا"۔

جواب:

سبق کا عنوان: پنچایت **مصنف کا نام:** منشی پریم چند

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مسند	کرسی	ہرا ہونا	تازہ ہونا، سرسبز و شاداب ہونا
انصاف	عدل	دشمن	عدو

تشریح:

انسان گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے اس کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر انھیں پورا نہیں کر سکتا۔ انسان کے مل جل کے رہنے کے نتیجے میں ایک انسان کے دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے رشتے تشکیل پاتے ہیں جن میں سے ایک نہایت اہم رشتہ دوستی کا رشتہ ہے۔ شیخ جمن اور الگو آپس میں دوست تھے۔ لیکن جب پنچایت میں انصاف کی بات آئی تو الگو نے دوستی کے بجائے انصاف کے راستے کا انتخاب کیا۔ دونوں کی دوستی ختم ہو گئی اتفاقاً الگو کا ایک مسئلہ پنچایت میں آ گیا اس مرحلے پر شیخ جمن نے بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑا۔ یوں شیخ جمن کا دل الگو کی طرف سے صاف ہو گیا۔ اس نے الگو سے اپنے دل کی بات کی اور کہا کہ جب سے تم نے میرے خلاف فیصلہ کیا تھا تو میں دل سے تمہارا دشمن ہو گیا تھا کہ تم نے اتنی پرانی دوستی کا خیال نہ کیا اور خالہ کے حق میں فیصلہ دے دیا لیکن آج جب میں خود انصاف کی مسند پر بیٹھا ہوں تو مجھے اندازہ ہوا ہے۔ مصنف کسی کا دوست یا دشمن نہیں ہوتا۔ معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

"عدل سے کام لیا کرو چاہے اس میں تمہارا یا تمہارے قریب لوگوں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو"۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"یاد رکھو گزشتہ امتیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ وہ عام لوگوں کو تو سزا دے دیتے تھے لیکن بارسوخ افراد کو کچھ نہیں کہتے تھے۔"

معاشرتی زندگی کے معاملات میں عدل و انصاف فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف منشی پریم چند ہمیں متوجہ کرتے ہیں کہ مسند انصاف پر بیٹھنے والے شخص کو اپنا پرایا دوست دشمن یا امیر غریب نہیں دیکھنا ہوتا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات شیخ جمن کو

اس وقت سمجھ آئی جب خود انہوں نے فیصلہ کیا۔ شیخ جمن کی بات سن کر الگو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دونوں کے دل صاف ہو گئے اور وہ پرانی دوستی جو غلط فہمی کی بنیاد پر ٹوٹ گئی تھی اس کی تجدید ہو گئی۔ اب دوستی کا رشتہ کسی بھی طرح کی چال بازی پر نہیں بلکہ انصاف اور سچائی کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔

سوال 9: ذیل میں مختلف محاوروں کو دو دو جملوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ درست استعمال کے آگے (✓) اور غلط بیان کے آگے (✗) کا نشان لگائیں۔

1- سبز باغ دکھانا: (الف) اکرم نے مجھے ملتان میں اپنے سبز باغ دکھائے۔ ✗
(ب) سیاسی لوگ سبز باغ دکھا کر عوام کو لوٹتے ہیں۔ ✓

2- زخم پر نمک چھڑکنا: (الف) سعد نے میرے بازو کے زخم پر نمک چھڑکا تو میری چیخیں نکل گئی۔ ✗
(ب) آپ میرے زخم پر نمک چھڑکنے کی بجائے میری مدد کریں۔ ✓

3- بغلیں جھانکنا: (الف) انس میرے سوال پر بغلیں جھانکنے لگا۔ ✓
(ب) کسی کی بغلیں جھانکنا بری بات ہے۔ ✗

Report any mistake ?
at : freeilm786@gmail.com
Want to get all subject notes ?
visit: freeilm.com

7 ۔ آرام وسکون

سید امتیاز علی تاج

خلاصہ

سید امتیاز علی تاج کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ آرام وسکون ان کا معروف ریڈیائی ڈراما ہے جس میں آرام وسکون کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

صاحبِ خانہ، کثرتِ کار کے باعث بیمار پڑے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے آرام سکون کو ہی علاج قرار دیا ہے۔ بیگم صاحبہ، ڈاکٹر کی تشخیص سے متفق ہیں اور شکوہ کناں ہیں کہ میاں نے ان کی نصیحت پر مطلق کان نہیں دھرا وگرنہ بیماری کی نوبت نہ آتی۔ ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد بظاہر وہ آرام وسکون کی بڑے زور وشور سے تاکید کرتی نظر آتی ہیں۔ لیکن حقیقتاً آرام وسکون کی سب سے بڑی دشمن وہی ہیں انکا باتونی پن انہیں آرام سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ وہ حیلے بہانے سے ان کے سر پر مسلط رہتی ہیں اور گھڑی بھر کو نہیں ٹلتیں اور خواہ مخواہ، میاں کو بولنے پر مجبور کر دیتی ہیں، کبھی تو وہ میاں صاحب کو لاپروائی برتنے پر طنز کر رہی ہیں۔ کبھی بڑے شد ومد سے پرہیزی کھانے کی بابت پوچھ رہی ہیں مگر ایک لمبی فہرست کھانوں کی گنوانے کے بعد بھی انہیں پکانے کی نوبت نہیں آتی۔ اگلے ہی لمحے وہ بدن کی تھکاوٹ اور درد کو دور کرنے کے لیے انہیں جسم دبوانے کو کہتی ہیں مگر میاں کے آمادہ ہونے پر بھی عملاً ایسا ہو نہیں پاتا۔ اگر کچھ دیر کے لیے میاں سے توجہ ھٹتی بھی ہے تو نوکر کی کمبختی آجاتی ہے۔ ابھی نوکر کا معاملہ ختم نہیں ہوتا کہ پانی دیر سے لانے پر سقّے کی شامت آجاتی ہے اس مہم کے سر کر لینے کے بعد گھنٹی کی ڈھنڈیا پڑ جاتی ہے الزام نوکر پر لگا دیا جاتا ہے حالانکہ اس میں نوکر بیچارہ بے گناہ ہے کیونکہ اسے میاں نے خود وہاں رکھا تھا۔ ابھی یہ مرحلہ طے ہوا ہی ہے کہ ریٹھے کوٹنے کا شور ہونے لگتا ہے پتا چلتا ہے کہ یہ سب بیگم صاحبہ کے نادر شاہی حکم کے زیر اثر ہو رہا ہے یہ جانے بنا کہ اس سے کتنا شور ہو گا؟ ابھی یہ مسئلہ حل ہوتا ہی ہے کہ بچے کی کھلونا گاڑی کا شور صورتحال کو اور بھی خراب کر دیتا ہے بیوی بجائے بچے کو پیار سے سمجھانے کے غصے سے کام لیتی ہے بچہ رونے لگتا ہے جس سے شور بجائے کم ہونے کے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہے کہ گرد وغبار اٹھنے لگتا ہے پتہ چلتا ہے کہ بیچارے نوکر کو یہ نیا حکم ملا ہے جس کی تعمیل نہ ہونے کی صورت میں اسے بیگم صاحبہ کے عتاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ بہر حال میاں کہہ سن کر اس سلسلے کو موقوف کرا دیتے ہیں مگر آرام وسکون ان کی قسمت میں کہاں؟ فون کی گھنٹی انہیں اٹھنے پر مجبور کر دیتی ہے مخاطب کو اصرار ہے کہ بیگم صاحبہ سے ان کی بات کروائی جائے یہ جان لینے کے باوجود کہ موصوف بیمار ہیں یہ اصرار جاری رہتا ہے۔ میاں فون بند کرنے میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں مگر بیوی کو یہ امر ناگوار گزرتا ہے۔ اتنے میں ساتھ والے گھر سے آنے والی ہارمونیم کی آواز، پھر چوٹ لگ جانے کے باعث بچے کے رونے کی آواز اور عین اسی وقت فقیر کی صدا سب مل کر میاں کو گھبرا دیتے ہیں۔ بیوی وقت کی نزاکت کا احساس کرنے کی بجائے جو طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں وہ شور کو دو چند کر دیتا ہے جو میاں کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے ناچار وہ اپنی ٹوپی اور شیروانی طلب کرتا ہے اور دفتر کو آرام وسکون کے لیے گھر پر ترجیح دیتے ہوئے اس کی راہ لیتا ہے۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

سقا؟ گھر میں بہرے بستے ہیں جو کمبخت اس زور سے کنڈی کھٹکھٹاتا ہے؟ اللہ ماروں کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا کہ گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے تاکید کر رکھی ہے کہ شور وغل نہ ہونے پائے اور اس سے کہو یہی وقت ہے، پانی لانے کا۔ اچھی خاصی دوپہر ہونے کو آگئی ہے۔ کل سے اتنی دیر میں آیا تو نوکری سے الگ کر دوں گی۔ میں نامُراد کو بیسیوں مرتبہ یہ کہہ چکی ہوں کہ صبح سویرے ہو جایا کرے۔ کان پر جُوں نہیں رینگتی۔

سبق کا عنوان: آرام وسکون مصنف کا نام: سید امتیاز علی تاج

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سقا	پانی لانے والا	کان پر جُوں نہ رینگنا	کچھ اثر نہ ہونا
بیمار	علیل	تاکید	ہدایت، نصیحت

تشریح:

بیگم صاحبہ دروازے پر ہونے والی آواز کے جواب میں اٹھ کر دروازے پر نہیں جاتیں بلکہ میاں کے پاس بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں بولنے لگتی ہیں کہ سقا ہے۔ سقے کا لفظ ہماری معاشرتی زندگی کے اس عہد کی یادگار ہے جب عام گھروں میں نا تو دستی نلکے ہوتے تھے نہ ہی میونسپلٹی نے گھر گھر پانی پہنچانے کا بندوبست کیا تھا بلکہ سقے کنوئیں، دستی نلکوں یا میونسپل کمیٹی کی ٹینکیوں سے پانی بھر کر گھروں میں پہنچایا کرتے تھے اور اس مزدوری کے عوض تھوڑے بہت پیسے انہیں مل جاتے تھے۔ بیگم صاحبہ میاں کے پاس بیٹھے بیٹھے سقے پر برسنے لگتی ہیں کہ وہ بہت زور سے کنڈی کھٹکھٹاتا ہے۔ اس بات کا ذرا خیال نہیں کہ گھر میں کوئی بیمار موجود ہے اور ڈاکٹر نے تاکید کی ہے کہ کسی بھی طرح کا شور وغل نہ ہونے پائے۔ بیگم صاحبہ یہ نہیں سوچتیں کہ اس نے تو ایک دفعہ زور سے کنڈی کھٹکھٹا دی ہے لیکن اب وہ مریض کے پاس بیٹھی مسلسل چیخ رہی ہیں۔ سید امتیاز علی تاج ہمارے روزمرہ رویوں پر طنز کرتے ہیں کہ ہم جس بات پر دوسروں کو ٹوک رہے ہوتے ہیں عین اسی وقت خود وہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کی غلطی تو فوراً نظر آجاتی ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا۔ بیگم صاحبہ سقے کو بے وقت آنے پر نہ صرف ڈانٹتی ہیں بلکہ نوکری سے الگ کرنے کی دھمکی بھی دیتی ہیں کہ اگر پھر ایسا ہوا تو تمہیں نوکری سے جواب دے دوں گی کیونکہ میں کئی مرتبہ تاکید کر چکی ہوں کہ صبح سویرے پانی دے جایا کرو لیکن تم پر اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گھریلو کام کاج کے لیے خواتین کو صبح کے وقت زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کپڑے دھونے میں، فرش دھونے میں، ہانڈی روٹی کرتی ہے تو اس وقت پانی موجود ہو تو سارے کام بروقت نمٹ سکتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کا موقف درست ہے لیکن جس وقت، جس بلند آواز میں اور جہاں بیٹھ کر وہ یہ سب کچھ کہہ رہی تھیں وہ صحیح نہیں تھا کہ ان کے میاں کو آرام وسکون کی ضرورت تھی اور وہ ان کے پاس بیٹھ کر چیخ چیخ کر ان کا آرام وسکون غارت کرنے میں مصروف تھیں۔

اقتباس نمبر2:

ننھا ہے آپ کا۔ عید کے روز میلے میں سے یہ کھلونا گاڑی لے آیا تھا۔ نہ اس کمبخت کا دل اس سے بھرتا ہے اور نہ وہ کمبخت ٹوٹتی ہے ۔ ارے میں نے کہا ننھے، نہیں مانے گا نامُراد؟ چھوڑا پنی پٹ پٹ کو۔ جب دیکھو لیے لیے پھر رہا ہے۔ صاحبزادے کا دل کسی طرح پُر ہونے ہی میں نہیں آتا۔ چولھے میں جھونک دوں گی اس کم بخت کو، اتنا خیال بھی نہیں آتا ابا بیمار پڑے ہیں۔ شوروغُل سے ان کی طبیعت گھبراتی ہے۔

سبق کا عنوان: آرام وسکون مصنف کا نام: سید امتیاز علی تاج

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دل بھرنا	دل کی خواہش پوری ہونا	چولھے میں جھونکنا	آگ لگا دینا
میلہ	انبوہ، سیر اور تماشے کے لیے لوگوں کا جمع ہونا	شوروغُل	غوغا، ہنگامہ

تشریح:

کھیلنے والی گاڑی کی کرخت آواز سن کر میاں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ تو بیگم صاحبہ کی توپوں کا رخ ننھے کی طرف ہو گیا کہ وہ صحن میں گاڑی چلا رہا ہے۔ عید کے موقع پر لگنے والے میلے سے خرید کر لایا تھا۔ شہری زندگی میں تو تہواروں کے مواقع پر میلے لگنا اب خواب ہو گئے ہیں قصباتی اور دیہاتی زندگی میں بھی اب یہ روایت دم توڑ رہی ہے بہر حال ایک زمانہ تھا جب عید کے موقع پر عارضی بازار لگا کرتے تھے۔ بچوں کی دلچسپی کی کئی چیزیں وہاں موجود ہوتی تھیں۔ ننھا بھی عید کے موقع پر گاڑی لے آیا۔ بیگم صاحبہ اس کی آواز سن کر گاڑی کے ساتھ ساتھ ننھے کو بھی کوسنے لگتی ہیں کہ یہ گاڑی اتنی مضبوط ہے کہ ٹوٹتی ہی نہیں دوسری طرف بچے عام طور پر پرانے کھلونے پھینک دیتے ہیں لیکن ننھے کی یہ کھلونا گاڑی نہ تو ٹوٹتی ہے اور نہ اس کا جی بھرتا ہے۔ بیگم صاحبہ اسے پکارتی ہیں کہ تو نامانے گا ہر وقت اسے لئے پھرتا رہتا ہے۔ اس کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی میں نے اسے آگ میں پھینک دینا ہے۔ بچوں کو سرزنش کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ اگر میں نے بات نہ مانی تو اپنی من پسند چیز سے محروم کر دیا جاؤں گا۔ عام طور پر یہ حربہ کارگر ثابت ہوتا ہے اور بچے والدین کی بات مان لیتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے بھی یہ نفسیاتی گر آزمایا اور ساتھ ہی ساتھ ننھے کو باپ کی بیماری کا احساس کرنے کا بھی کہہ دیا کہ تمہیں اس بات کا بالکل خیال نہیں کہ تمہارا باپ بیمار ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اور ڈاکٹر نے انہیں آرام کرنے کا کہا ہے۔ شوروغل سے ان کی طبیعت پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔ یہاں بھی بیگم صاحبہ کا رویہ مختلف ہے کہ وہ ننھے کو تو شور مچانے سے روک رہی ہیں لیکن خود مسلسل شور کیے جا رہی ہے۔ ہمارے رویوں اور اعمال کے تضادات اسی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ہم جس بات پر سے دوسروں کو روکتے ہیں خود وہی کرتے رہتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کسی بھی شور مچانے والے کو جا کے نہیں روکتیں بلکہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے شور مچاتی رہتی ہیں۔

اقتباس نمبر 3:

جی نہیں بیگم صاحبہ! تردد کی کوئی بات نہیں، میں نے بہت اچھی طرح معائنہ کر لیا ہے۔ صرف تکان کی وجہ سے حرارت ہو گئی ہے۔ ان دنوں آپ کے شوہر غالباً کام بہت زیادہ کرتے ہیں۔

سبق کا عنوان: آرام وسکون مصنف کا نام: سید امتیاز علی تاج

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی

تردد	پریشانی فکر	تکان	تھکاوٹ
معائنہ	جانچ، غور سے دیکھنا	شوہر	خاوند

سیاق وسباق:

اس ڈرامے میں سید امتیاز علی تاج نے آرام وسکون کی اہمیت واضح کی ہے کہ آرام وسکون انسانی صحت کے لئے بے حد ضروری ہے ۔سبق میں مزاحیہ انداز میں بتایا گیا ہے کی مسلسل کام کرنے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔یوں کئی دن کا کام مؤخر کرنا پڑتا ہے۔ آرام وسکون میں ڈاکٹر میاں کو آرام وسکون کی تاکید کرتا ہے لیکن مصنف کی بیوی، بیٹا، نوکر اور سقا وغیرہ شوروغل کے ذریعے اسے دفتر جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

تشریح:

ڈاکٹر بیگم صاحبہ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں میں نے مریض کا اچھی طرح معائنہ کر لیا ہے۔

کسی بھی شخص کا کوئی عزیز اگر خدا نہ خاستہ بیمار ہو جائے اور اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی نوبت آجائے تو عزیز واقارب پریشان ہو جاتے ہیں اور اُس وقت تک پریشان رہتے ہیں جب تک مریض ٹھیک نہ ہو جائے یا کم از کم اس وقت تک جب تک ڈاکٹر انہیں تسلی نہ دے دے کہ پریشان ہونے کی بات نہیں۔ امتیاز علی تاج اسی انسانی رویے کو دکھاتے ہیں کہ بیگم صاحبہ اپنے خاوند کے علیل ہونے پر پریشان ہیں ڈاکٹر کو بلایا جاتا ہے ڈاکٹر معائنہ کرنے کے بعد تسلی دیتا ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں، تھکاوٹ کی وجہ سے انہیں حرارت ہو گئی ہے۔شاید ان دنوں آپ کے شوہر بہت زیادہ کام کرتے رہے ہیں۔

ہر انسان میں اللہ تعالی نے کچھ خاص صلاحیتیں رکھی ہیں۔ انسان اپنی کوشش سے ان صلاحیتوں کو بہتر بناتا ہے اور بعض اوقات اپنی صلاحیتوں کو ضائع بھی کر دیتا ہے۔کام کرنے کی صلاحیت ہر انسان میں مختلف ہوتی ہے بعض لوگ ان تھک ہوتے ہیں۔ وہ کام، کام، اور کام، پر یقین رکھتے ہیں لیکن بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں ایک خاص حد سے زیادہ کام ان سے نہیں ہو پاتا۔ اگر وہ اس سے زیادہ کام کریں تو تھک جاتے ہیں اور بعض اوقات بیمار بھی پڑ جاتے ہیں۔لگاتار کام کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اسی لیے پوری دنیا میں ہفتہ وار ایک یا دو چھٹیاں ضرور ہوتی ہیں۔انسان جب کام کے دوران میں آرام کر لیتا ہے تو پھر مزید کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر نے مریض کا معائنہ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ مریض کو کوئی مرض نہیں۔اس کے باوجود ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ زیادہ کام کی وجہ سے وہ علیل ہو گئے ہیں اور اب انہیں آرام کی ضرورت ہے۔چنانچہ وہ اسی بات کا اظہار بیگم صاحبہ سے بھی کرتا ہے کہ تھکاوٹ کی وجہ سے انہیں بخار ہو گیا ہے اس لیے دوا دارو کی بجائے انہیں آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔اس طرح ان کا بخار اتر جائے گا اور ان کی طبیعت کی گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) روزانہ آرام وسکون نہ کیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ہر روز تھوڑا تھوڑا وقت آرام وسکون کے لیے نہ نکالا جائے تو پھر بیمار پڑ کر بہت زیادہ وقت نکالنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

(ب) بیماری کے باوجود میاں دفتر جانے کے لیے کیوں تیار ہو جاتا ہے؟

جواب: بیماری کے باوجود میاں دفتر جانے کے لیے اس لیے تیار ہو جاتا ہے کیونکہ ڈاکٹر نے انہیں مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بھی تاکید کی کہ ان کے آس پاس شور غل بالکل نہ ہو۔ لیکن صورتحال بالکل مختلف تھی۔ اور ان کے آس پاس ہر وقت شور ہی ہوتا رہا اور کسی نے بھی ان کے آرام و سکون کا خیال نہ رکھا۔

(ج) اس ڈرامے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اس ڈرامے "آرام و سکون" سے ایک تو یہ سبق ملتا ہے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا آرام کر لینے سے انسان بیمار ہونے سے بچ جاتا ہے اور دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اگر گھر میں کوئی بیمار شخص پڑا ہو تو گھر والوں کو شور کرنے کی بجائے اس کے مکمل آرام و سکون کا خیال رکھنا چاہیے۔ دوسروں کو خاموش کروانے کے لیے خود اتنا شور نہیں مچانا چاہئے کہ مریض آپ سے بھی تنگ آ جائے۔

(د) بہت زیادہ شور شور غل بھی ماحولیاتی آلودگی کا سبب بنتا ہے۔ شور کی آلودگی سے صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: ماہرینِ نفسیات کے مطابق شور کام کرنے اور نیند کے دوران پر سکون ماحول میں خلل کا باعث ہی نہیں بنتا بلکہ یہ انسانی نفسیات اور صحت پر بھی گہرے منفی اثرات ڈالتا ہے۔ اعصاب پر اس کا بہت مضر اثر پڑتا ہے اور شور کی آلودگی کئی قسم کی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ مثلاً ذہنی تناؤ، سماعت پر برا اثر، بہرہ پن، سر درد، ہائی بلڈ پریشر، وغیرہ۔

(ہ) صحت مند رہنے کے لیے کیا باتیں ضروری ہیں؟

جواب: صحت مند رہنے کے لیے آرام و سکون کا خیال رکھا جائے اور متوازن غذا کھائی جائے۔

(و) ہمسائے کی کون سی حرکت سے میاں کے آرام میں خلل پڑ رہا تھا؟

جواب: ہمسائے کے ہارمونیم اور گانے کی آواز سے میاں کے آرام میں خلل پڑ رہا تھا۔

free ilm.

سوال 2: واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے۔

جوابات:

واحد	جمع	واحد	جمع
وقت	اوقات	ہدایت	ہدایات
ضرورت	ضروریات	غذا	اغذیہ
طبیعت	طبائع	ہمسایہ	ہمسائے

سوال 3: مندرجہ ذیل کے مذکر اور مونث لکھیں۔

جوابات:

مذکر	مونث	مذکر	مونث
صاحب	بیگم	میاں	بیوی
فقیر	فقیرنی	ملازم	ملازمہ
بچہ	بچی		

سوال4: مندرجہ ذیل جملوں کو درست کر کے لکھیے۔

جوابات:

غلط جملے	درست جملے
میرے ابو دفتر سے واپس لوٹ آئے ہیں۔	میرے ابو دفتر سے لوٹ آئے ہیں۔
ڈاکٹر نے مریض کو دوائی دی۔	ڈاکٹر نے مریض کو دوا دی۔
میرے پیٹ میں درد ہو رہی ہے۔	میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔
یہ میز پرانا ہو چکا ہے۔	یہ میز پرانی ہو چکی ہے۔
نوکر نے کمرے میں جھاڑو دیا۔	نوکر نے کمرے میں جھاڑو دی۔

سوال5: مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور درست کی نشاندہی کریں۔

جوابات:

1- انسان کو بہت زیادہ فکر مند نہیں رہنا چاہیے۔ ✓

2- شور غل کا مریض پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ✗

3- تھوڑا سا وقت آرام کے لیے ضرور نکالنا چاہیے۔ ✓

4- ہمیں ماحول کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔ ✓

5- صرف تکان کی وجہ سے حرارت نہیں ہو سکتی۔ ✗

6- دوا سے زیادہ آرام و سکون ضروری ہے۔ ✓

7- بغیر آرام کئے محنت کرتے چلے جانے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ ✓

8- غذا کے معاملے میں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔ ✗

9- گرد و غبار سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ ✓

10- انسان کے لئے آرام و سکون بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کام۔ ✓

سوال6: اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

جوابات:

تَرَدُّد مُعائَنَہ

مُطلَق شُورُغُل

تَقوِیَّت مُقَوِّی

سوال7: درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) سبق "آرام و سکون" کے مصنف کون ہیں؟

(الف) پریم چند (ب) ✓ سید امتیاز علی تاج (ج) مولوی نذیر احمد (د) میرزا ادیب

(ب) ڈاکٹر کے مطابق میاں کو کیا بیماری تھی؟

(الف) شوگر (ب) دل کی بیماری (ج) ✓ تکان اور حرارت (د) سر درد

(ج) میاں کتنے بجے دفتر جایا کرتے تھے؟

(الف) صبح آٹھ بجے (ب) شام سات بجے (ج) ✓ صبح دس بجے (د) صبح نو بجے

(د) ڈاکٹر نے میاں کو کس بات کی تاکید کی تھی؟

(الف) وقت پر دوا کھانے کی (ب) انجکشن لگوانے کی (ج) ✓ خاموش لیٹے رہنے کی (د) سیر کرنے کی

(ہ) سبق "آرام و سکون" میں گھریلو ملازم کا نام کیا تھا؟

(الف) کلّو (ب) ✓ للّو (ج) بلّو (د) ٹلّو

(و) گھنٹی کس نے میز سے اٹھا کر انگیٹھی پر رکھی تھی؟

(الف) بیوی نے (ب) ✓ میاں نے (ج) للّو نے (د) ننھے نے

(ز) میاں صاحب کا نام کیا تھا؟

(الف) اشتیاق (ب) مشتاق (ج) ✓ اشفاق (د) اسحاق

(ط) ملازم کیا چیز کوٹ رہا تھا؟

(الف) نمک (ب) مرچیں (ج) ✓ ریٹھے (د) گرم مسالا

سوال 8: خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) تردد کی کوئی بات نہیں، میں نے بہت اچھی طرح -------- کر لیا ہے۔ (معائنہ)

(ب) میرے خیال میں انہیں -------- سے زیادہ -------- کی ضرورت ہے۔ (دوا، آرام و سکون)

(ج) اتنا کام نہ کیا کرو -------- صحت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ (نصیبِ دشمناں)

(د) جی نہیں! دوا کی -------- ضرورت نہیں۔ (مطلق)

(ہ) مریض کے کمرے میں -------- نہیں ہونا چاہیے۔ (شور غل)

(و) خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی -------- بخشتی ہے۔ (تقویت)

(ز) اللہ جانے یہ کون -------- میری چیزوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ (نامراد)

(ح) -------- کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے۔ (اللہ ماروں)

(ط) میں -------- کو -------- مرتبہ کہلا چکی ہوں کہ صبح سویرے ہو جایا کرے۔ (نامراد، بیسیوں)

(ی) -------- نے قسم کھا رکھی ہے کہ کبھی کوئی چیز -------- نہ رہنے دے گا۔ (کم بخت، ٹھکانے)

(س) -------- کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ (بے چارے)

(ص) صاحب زادے نے -------- نہ فرمائی تو دنیا کسی بہت بڑی نعمت سے محروم نہ ہو جائے گی۔ (نغمہ سرائی)

8 ۔ لہو اور قالین

میرزا ادیب، اصل نام دلاور علی

خلاصہ

میرزا ادیب اُردو ادب کے مشہور ڈرامہ نگار تھے۔ سبق لہو اور قالین ان کا ایک "یک بابی ڈراما" ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اپنی عزت و شہرت کے لئے کسی کو سیڑھی نہیں بنانا چاہیے۔

شامل نصاب ڈرامہ "لہو اور قالین" معروف ڈرامہ نگار میرزا ادیب کی تحریر ہے۔ میرزا ادیب یک بابی اور ریڈیائی ڈرامہ نگاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے ڈراموں کے موضوعات عام اور روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں۔ معاشرے میں انسانی خواہشات اور احساسات کو میرزا ادیب نے خاص اہمیت دی ہے اور ان کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ ڈرامہ "لہو اور قالین" ہمارے معاشرے میں سرمایہ دارانہ ذہن اور فنکارانہ جذبات واحساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ تجمل ایک سرمایہ دار ہے جبکہ اختر ایک مصور۔ دو سال قبل اختر ایک تنگ و تاریک گلی کے ایک خستہ مکان میں رہتا تھا۔ اس نے بے شمار تصویریں بنائیں لیکن اسے ان کا کوئی خاطر خواہ معاوضہ نہ ملا، تصویروں کی ایک نمائش گاہ میں اس کی ملاقات تجمل سے ہوتی ہے تجمل اُس کے فن کو سراہتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے آتا ہے اور باقاعدہ اسے تصویریں بنانے کے لیے کمرا اور دوسرا ساز و سامان فراہم کرتا ہے۔ اختر کی معاشی حالت بھی سدھر جاتی ہے تجمل اختر کی بنائی ہوئی تصویروں سے پیسہ بھی کماتا ہے اور شہرت بھی کچھ ہی عرصہ بعد اختر کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کے فن کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ تجمل اس کو محض دولت اور شہرت کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اسی دوران اختر کو اس کا ایک اہم پیشہ دوست نیازی کہتا ہے کہ اگر تم تصویریں نہیں بنا سکتے تو میں تمہارے لئے تصویریں بناتا ہوں۔ تم مجھے اس کا معاوضہ دے دینا میرے حالات کچھ بہتر ہو جائیں گے۔ اختر نا چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لیتا ہے اس طرح نیازی اُسے تصویریں بنا کر دیتا ہے وہ اختر کے نام سے بازار میں آتی ہیں۔ اِس طرح نیازی کو پیسے، اختر کو بنی بنائی تصویریں اور تجمل کو فن کی قدر افزائی اور مصور نوازی کے لیے سوسائٹی میں عزت و احترام ملتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا ہے۔ ایک دن ایک تصویری مقابلے میں اختر کی تصویر کو پہلا انعام ملتا ہے اخبار میں یہ خبر لگتی ہے۔ تجمل بڑی خوشی کے ساتھ اختر کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔ لیکن اختر ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہے کیونکہ اول انعام والی تصویر تو نیازی کی بنائی ہوئی ہے۔ تجمل حیران ہوتا ہے کہ اختر کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ وجہ پوچھنے پر اختر اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ پاتا اور صاف صاف بتا دیتا ہے کہ اول انعام پانے والی تصویر اور دوسری تمام تصویریں دراصل اس نے نہیں بنائیں بلکہ اُس کے دوست نیازی نے بنائی ہیں تجمل برہم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے دھوکہ دیتا رہا ہے۔ اختر تجمل کو مجرم ٹھہراتا ہے کہ آپ نے فن کی قدر کرنے کی بجائے اُسے پیسے اور شہرت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اتنے میں تجمل کا پرائیویٹ سیکرٹری رؤف کمرے میں داخل ہوتا ہے اور اختر کو بتاتا ہے کہ اس کے دوست نیازی نے آج صبح خودکشی کر لی ہے۔ اختر پاگلوں کی طرح چیخنے لگتا ہے اور تجمل سے کہتا ہے کہ تم قاتل ہو تم قاتل ہو۔ تم نے نیازی کا خون کیا ہے۔ تجمل اُسے پاگل قرار دیتے ہوئے رؤف سے کہتا ہے کہ اسے گھر سے باہر نکال دو اور کسی پاگل خانے میں یا پولیس اسٹیشن چھوڑ آؤ رؤف اختر کو زبردستی باہر لے جاتا ہے۔ جبکہ تجمل اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتا ہے۔ اس طرح دولت و شہرت کے قالین پر فن کا لہو بہہ جاتا ہے۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ آخر گذشتہ دو سال سے تم میرے مہمان ہو، اس دوران میں تم نے کئی تصویریں بنائی ہیں، جو شہر کے معزز لوگوں کی کوٹھیوں میں آویزاں ہیں۔ ان میں سے اکثر میں نے تحفتاً اپنے دوستوں کو دی ہیں۔ یہ سب کی سب تمہاری ہیں، تمہاری اپنی تخلیق ہیں، لیکن آج تم کہ رہے ہو، ان میں سے ایک بھی میری نہیں ہے۔ کوئی اور سنے گا تو کیا کہے گا؟

سبق کا عنوان: لہو اور قالین **مصنف کا نام:** مرزا ادیب

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آویزاں	لٹکنا۔ لٹکی ہوئی	تخلیق	فن پارہ
پاگل پن	دیوانہ پن	تحفتاً	تحفے کے طور پر

سیاق وسباق:

اس ڈرامے میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے۔ شہر کا ایک مالدار شخص سیٹھ تجمل ایک گمنام مصور اختر کو اپنی کوٹھی میں لے آتا ہے اور اسے اپنی کوٹھی کا ایک کمرہ دے دیتا ہے جسے اختر اسٹوڈیو کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ سیٹھ تجمل اسے تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کرتا ہے۔ سیٹھ تجمل کے خیال میں اختر اس کمرے میں بیٹھ کر تصویریں بناتا تھا۔ سیٹھ تجمل اختر کی تصاویر خرید کر اپنے دوست احباب کو تحفہ کے طور پر دیتا ہے۔ ایک صبح جب سیٹھ تجمل، اختر کو بتاتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر کو اول انعام دیا گیا ہے تو اختر، سیٹھ تجمل پر اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ جتنی تصاویر بھی آج تک سیٹھ تجمل نے اپنے دوستوں کو دی ہیں ان میں سے ایک بھی میری نہیں۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔

تشریح:

سیٹھ تجمل اپنے مصور دوست اختر سے مخاطب ہے اور اس کی جذباتی سچائی کو اس کا پاگل پن قرار دیتا ہے۔ کہ تمہارا موقف کہ یہ تصویریں تمہاری نہیں درست موقف نہیں ہے۔ تم گذشتہ دو سال سے میرے یہاں رہ رہے ہو اس دوران تم نے کئی تصویریں بنائی ہیں ان میں سے اکثر تصویریں میں نے تحفتاً دوستوں کو پیش کی ہیں جو ان کی کوٹھیوں میں آویزاں ہیں یہ سب تصویریں تمہاری ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ ان میں سے کوئی تصویر تمہاری نہیں۔

سیٹھ تجمل اشرافیہ میں فنون لطیفہ کی قدردانی کے حوالے سے اپنی پہچان کراتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنے دوست اختر کو استعمال کرتا ہے جو مصور ہے اس کی بنائی ہوئی تصویریں سیٹھ تجمل اپنے معاشی مفادات کے حصول کے لیے تحفتاً لوگوں کو پیش کرتا ہے۔ اگر سیٹھ تجمل اختر کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے تو اختر اپنے دوست نیازی کو مجبوراً تصویریں بنوانے کے حوالے سے استعمال کرتا ہے۔ لیکن چونکہ اختر دل کا کھرا ہے اس کا ذہن ایک فن کار کا ذہن ہے تو وہ نیازی کی خودکشی کو برداشت نہیں کر پاتا اور اپنی سچائی سیٹھ تجمل کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے کہ جو تصویریں میرے نام سے تم نے لوگوں کو دی ہیں وہ میری نہیں ہیں لیکن سیٹھ اختر اس جذباتی سچائی کو نہیں مانتا اور اسے اختر کا پاگل پن قرار دیتا ہے۔ یہ ہمارا معاشرتی المیہ ہے کہ ہم اسی سچائی کو حقیقت کے طور پر مانتے ہیں جو ہمیں صحیح لگے جو ہمارے موقف کی تائید کرے۔ جس میں ہمیں فائدہ

ہو اگر کوئی ایسی حقیقت جو ہمارے لئے شرمندگی یا نقصان کا باعث بننے والی ہو تو ہم اس کی صداقت ہی سے انکار کر دیتے ہیں اور اسی کا اظہار کرنے والے کو پاگل قرار دیتے ہیں سیٹھ تجمل اسی سوچ کی عملی صورت ہے۔ دوسری طرف اختر کی صورت پر غلط کام پر پچھتاوا ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے اس کی تلافی کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اقتباس نمبر2:

یہ تصویریں آج آپ جیسے معزز لوگوں کے ڈرائنگ روموں کی زینت ہیں۔ وہ پہلے کی طرح مفلس نہیں ہے۔ وہ اپنی بہن کی شادی کر چکا ہے۔ اسے روٹی اور کپڑے کی بھی تکلیف نہیں۔ اب مالک مکان بھی اسے پریشان نہیں کرتا، مگر میں نہیں جانتا ہوں کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ اپنی اولاد کو چند سکوں کے عوض دوسروں کو سونپ دینا ایک ایسا تکلیف دہ واقعہ ہے، جس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔

سبق کا عنوان: لہو اور قالین **مصنف کا نام:** مرزا ادیب

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
زینت	خوبصورتی، سجاوٹ	سونپ دینا	حوالے کر دینا
معزز	عزت دار	مفلس	غریب

تشریح:

اختر اپنے نام سے منسوب تصویروں کی حقیقت سیٹھ تجمل کے سامنے واضح کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ وہ تصویریں جو آپ کے اور آپ جیسے دوسرے امرا کے گھروں میں آویزاں ہیں جس شخص نے بنائی ہیں اس کی مالی حالت بھی اب بہتر ہے۔ ان تصویروں کے عوض اسے جو رقم ملتی رہی ہے وہ کئی طرح سے اس کے کام آتی ہے۔ اس نے اسی رقم سے اپنی بہن کی شادی کی ہے۔ اسے اب آسانی سے دو وقت کی روٹی اور لباس میسر آ جاتا ہے۔ وہ وقت پر اپنے مکان کا کرایہ دے دیتا ہے اس لئے مالک مکان اسے کچھ نہیں کہتا لیکن بظاہر اتنی سہولیات حاصل ہونے کے باوجود اس کے دل کی کیا کیفیت ہے یہ میں جانتا ہوں تھوڑی سی رقم کے عوض اپنی اولاد کو بیچ دینا کتنا تکلیف دہ عمل ہے کہ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انسان اپنی محنت بیچتا ہے بازار میں جو مختلف مصنوعات بکنے کے لیے آتی ہیں سبھی اپنے بنانے والے کے نام کے ساتھ نہیں آتیں لیکن تخلیق کار کے لئے اس کی تخلیق اس کی اولاد کی طرح ہوتی ہے اور اپنی اولاد کو بیچ دینا، دوسروں کے سپرد کر دینا بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ لیکن غربت و افلاس انسان سے یہ سب کچھ کراتی ہے۔ اُردو ادب میں تو اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ کلاسیکی شاعری کے زمانے میں غلام ہمدانی مصحفی اور ماضی قریب میں اقبال ساجد اور بیدل حیدری اپنا کلام اونے پونے بیچتے رہے ہیں۔ ان سے کلام خرید کر کئی لوگ صاحب دیوان شاعر بن گئے۔ مرزا ادیب اسی معاشرتی المیے کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ غریب تخلیق کار چاہے وہ شاعر ہو، ادیب ہو، مصور ہو اس کی معاشی ضروریات اسے اپنی تخلیقات چند سکوں کے عوض فروخت کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں لوگ جھوٹی نمود و نمائش اور فن پروری کے زعم میں ان تخلیق کاروں کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔

اقتباس نمبر3:

رؤف کھڑے کیوں ہو، اس پاجی کو دھکے دے دے کر نکال دو۔ لے جاؤ اسے پاگل خانے میں، پولیس کو ٹیلی فون کرو، یہ پاگل ہو گیا ہے۔ خطرناک پاگل ہے۔ (رؤف اختر کو دھکے دے کر باہر نکالنے لگتا ہے) اختر چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے "تم قاتل ہو، تم نے قتل کیا ہے، میں خاموش نہیں رہوں گا۔" یہ آواز آہستہ آہستہ ڈوبنے لگتی ہے، تجمل دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کا پسینا پونچھتا ہے۔ (پردہ گرتا ہے)

سبق کا عنوان: لہو اور قالین مصنف کا نام: مرزا ادیب

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پاجی	گناہ گار، نیچ، گھٹیا	پیشانی	ماتھا
پاگل	دیوانہ	قاتل	قتل کرنے والا

تشریح:

جب اختر سیٹھ تجمل کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا دوست نیازی موت سے دوچار ہوا ہے وہ سیٹھ تجمل اپنے ملازم رؤف سے کہتا ہے کہ وہ اختر کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دے پاگل خانے میں فون کرے کہ یہ پاگل آزاد دندناتا پھرتا ہے اسے پکڑ کر لے جائیں۔ پولیس کو فون کریں کہ یہ لوگوں کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے اس لیے اسے گرفتار کر لیں۔ سیٹھ تجمل کا کردار اور اس کا رویہ اشرافیہ کے اس حصے کو ظاہر کرتا ہے جو کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتا جس کے نزدیک انسانی جذبات واحساسات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جو مال و دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ انسانیت کیا ہے انسانی قدریں کیا ہوتی ہیں ایسے افراد کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اختر کی بیان کردہ سچائی پر شرمندگی محسوس کرنے کے بجائے اسے پاگل قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف اختر کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے وہ برملا سیٹھ تجمل کو قاتل قرار دیتا ہے اور وہ یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ وہ سچائی کا اظہار کرتا رہے گا، کبھی خاموش نہیں ہو گا حضورؐ نے ایمان کے جو درجے بیان کئے ہیں ان میں سے کمتر درجہ یہ ہے کہ برائی کو برا سمجھا جائے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ برائی کو برا کہا جائے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ برائی کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ اختر برائی کو برا کہنے کی منزل پر ہمیں نظر آتا ہے، جب نیازی کی خودکشی کا اسے پتہ چلتا ہے تو اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ احساسِ جرم اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے تو وہ سیٹھ تجمل کے دوبدو آ کر دل کا سارا غبار نکال دیتا ہے اگرچہ سیٹھ تجمل کی پیشانی پر پسینہ آنے سے زیادہ اس پر اثر نہیں ہوتا لیکن اس عمل سے مرزا ادیب ہمارے سامنے اس حقیقت کو بہرحال واضح کر دیتے ہیں کہ اپنی غلطی کا علم ہونے پر اس کے جذبات واحساسات میں چاہے تبدیلی نہ آتی ہو لیکن اس کی پیشانی پر آنے والا پسینہ اس کے غلط ہونے کا ثبوت بن جاتا ہے۔

اقتباس نمبر4:

آج سے دو سال پہلے میں ایک تنگ و تاریک گلی کے ایک خستہ اور بدنما مکان میں رہتا تھا۔ بہت کم لوگ مجھے جانتے تھے اور جو جانتے تھے، اُنہیں میرے متعلق صرف یہی معلوم تھا کہ میں ایک مفلس، قلاش اور گمنام مصور ہوں۔ میں نے بے شمار تصویریں بنائی تھیں مگر وہ تمام کی تمام کباڑیوں یا نیلام گھروں میں پہنچ کر کوڑیوں کے بھاؤ بک چکی تھیں۔

سبق کا عنوان: لہو اور قالین مصنف کا نام: مرزا ادیب

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی

تنگ و تاریک	چھوٹی اور اندھیرے والی	قلاش	غریب، تہی دست
مصور	تصویر بنانے والا	کوڑیوں کے بھاؤ	معمولی قیمت پر

تشریح:

اختر اپنے ماضی کی تصویر سیٹھ تجمل کو دکھاتا ہے کہ دو سال قبل وہ ایک تنگ و تاریک گلی میں ایک ایسے مکان میں رہتا تھا جو ٹوٹا پھوٹا اور دیکھنے میں بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اختر کے گھر کا نقشہ اور محل وقوع اس کی مالی بدحالی کی عکاسی کرتا ہے۔ اختر اس امر کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ ا سے بہت کم لوگ جانتے تھے اور اگر چند لوگ جانتے بھی تھے تو انہیں بس یہی معلوم تھا کہ میں ایک مفلس اور گمنام مصور ہوں۔ مفلسی انسان کا تعارف بن جاتی ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ مفلس اپنے وطن میں بھی پردیسی ہوتا ہے لوگ مفلس سے اپنا رشتہ بتاتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ لوگ اس سے کوئی تعلق کوئی رشتہ رکھنے سے بھی احتیاط کرتے ہیں۔ اختر کو اس امر کا احساس تھا کہ وہ مفلس اور گمنام تھا۔ مرزا ادیب اختر کے حوالے سے ہمارے اس معاشرتی المیے کو بھی سامنے لاتے ہیں کے فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی ہمارے یہاں کوئی اہمیت نہیں۔ معاشرہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں ان کی کوئی مدد نہیں کرتا نہ ہی ان کے فن کا اعتراف کرتا ہے۔ اختر کہتا ہے کہ اس نے بے شمار تصویریں بنائیں لیکن وہ تصویریں آرٹ گیلریوں کی زینت نہ بن سکیں نہ ہی کسی دولت مند نے ان کا مول لگایا بلکہ وہ کباڑیوں کے پاس یا نیلام گھروں میں گئیں اور معمولی قیمت پر فروخت ہوئیں جیسے کاٹھ کباڑ بکتا ہے۔

ایسا معاشرہ جہاں دولت کو اہمیت حاصل ہو وہاں وہی لوگ تکریم پاتے ہیں جن کے پاس دولت ہوتی ہے ایسے معاشرے میں شعر وادب یا مصوری کو وقت کا ضیاع سمجھا جاتا ہے۔ ادبی کتاب یا تصویر کم سے کم قیمت پر خریدنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر کوئی خریدتا ہے تو محض اپنی واہ واہ کرانے کے لیے کہ لوگ اسے فنون لطیفہ کا ماہر یا سرپرست سمجھیں۔ سیٹھ تجمل کا کردار اسی طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) تجمل نے اختر کے بارے میں کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا؟

جواب: تجمل نے اختر کے بارے میں کہا کہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کسی نہ کسی سوچ میں ڈوبے رہتے ہیں اور الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔

(ب) اختر کا حلیہ بیان کیجیے۔

جواب: اختر ادھیڑ عمر کا شخص، سر کے بال بکھرے ہوئے، آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے سرخ، لباس پاجامہ اور قمیض، آستینیں چڑھی ہوئی، آنکھوں کے گرد حلقے زیادہ نمایاں ہیں۔

(ج) اختر کو کون تصویریں بنا کر دیتا تھا؟

جواب: اختر کو اس کا دوست نیازی تصویریں بنا کر دیتا تھا۔

(د) نیازی نے اپنی تصویریں اختر کے حوالے کیوں کیں؟

جواب: نیازی ایک غریب انسان تھا۔ وہ معاوضے کی خاطر اپنی تصویریں اختر کو بیچتا تھا کہ اس معاوضے سے اپنا اور اپنے گھر والوں کا عزت و آبرو کے ساتھ پیٹ پال سکے۔

(ہ) تصویریں اختر کی نہیں ہیں۔ اس انکشاف پر تجمل کا ردعمل کیا تھا؟

جواب: تصویریں اختر کی نہیں ہیں، اس انکشاف پر تجمل کو دھچکا سا لگا اور تجمل اختر سے کہنے لگا کہ تم مجھے اب تک دھوکہ دیتے رہے۔

(و) سردار تجمل حسین کی کوٹھی کا نام کیا تھا؟

جواب: سردار تجمل حسین کی کوٹھی کا نام "النشاط" تھا۔

(ز) تجمل کی عمر کتنی تھی؟

جواب: تجمل کی عمر چالیس اور پینتالیس سال کے درمیان تھی۔

(ح) تجمل نے اختر کو کون سی خوشخبری سنائی؟

جواب: تجمل نے اختر کو خوشخبری سنائی کہ اس کی تصویر نے پہلا انعام حاصل کیا ہے۔

(ط) اختر دو سال قبل کہاں رہتا تھا؟

جواب: اختر دو سال قبل ایک تنگ و تاریک گلی کے ایک خستہ اور بد نما مکان میں رہتا تھا۔

(ی) اختر کے نزدیک نیازی کا قاتل کون تھا؟

جواب: اختر کے نزدیک نیازی کا قاتل سردار تجمل تھا۔

سوال 2: میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں کیا پیغام دیا ہے؟

جواب: میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں یہ پیغام دیا ہے کہ آج کے دور میں فن کی قدر کرنے کی بجائے فن کو دولت کے بل بوتے پر خرید اجاتا ہے جو کہ فن کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔

freeilm فری علم

سوال 4: اس ڈرامے کے کرداروں کے نام لکھیں۔

جواب:

بابا	نوکر
تجمل	ایک سرمایہ دار
اختر	مصور
رؤف	تجمل کا پرائیویٹ سیکرٹری

سوال 5: مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

جوابات:

الفاظ	جمع	الفاظ	جمع	الفاظ	جمع
منظر	مناظر	تصویر	تصاویر	باغ	باغات
خبر	اخبار	انعام	انعامات	تکلیف	تکالیف

سوال 6: متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) ججوں نے تمہاری تصویر کو---------کا مستحق قرار دیا ہے۔ (اول انعام)

(ب)	میں نے تفصیل معلوم کرنے کے لیے-----کو بھیج دیا ہے۔	(رؤف)
(ج)	تم نے ملک کے تمام---------کے مقابلے میں یہ انعام جیتا ہے۔	(مصوروں)
(د)	تمھیں مبارک باد دینے شہر کے---------آ رہے ہیں۔	(معززین)
(ہ)	سنا ہے---------پر کبھی کبھی---------بھی پڑتے ہیں۔	(آرٹسٹوں، دورے)
(و)	میرے---------کی بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں۔	(فن)
(ز)	آپ کے--------کا-------ابھی زمین بوس ہو جائے گا۔	(تصورات، شیش محل)
(ح)	آپ سب کچھ سمجھ جائیں گے، یہ کوئی---------نہیں ہے۔	(معما)
(ط)	آج سے دو سال پہلے میں ایک---------گلی کے ایک خستہ اور--------مکان میں رہتا تھا۔	(تنگ و تاریک، بدنما)
(ی)	قانون تمھیں کچھ نہیں کہے گا، مگر--------کی نظروں میں تم-------ہو۔	(انسانیت، قاتل)

سوال 7: اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

جوابات:

تَحَمُّل	مُصَوِّر	مُتَعَجِّب
مُستَحِق	اِعزاز	مُعَزِّزِین
اِہتِمام	سَنجِیدَہ	مُعَامَلَہ
مُعَمّا		

سوال 8: مذکر اور مونث الگ الگ کریں۔

جوابات:

مذکر: پاجامہ، اخبار، مصور، مہمان

مونث: سرکار، قمیص، تصویر، جھونپڑی، توہین، نمائش

سوال 9: کالم (الف) میں دیئے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

جوابات:

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
تجمل	مصور	سرمایہ دار
بابا	سیکرٹری	نوکر
میرزا ادیب	سرمایہ دار	ڈراما نگار
رؤف	ڈراما نگار	سیکرٹری
اختر	نوکر	مصور

سوال 10: درج ذیل کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

جوابات:

الفاظ	معانی	جملے
فن کار	فن کا حامل	اختر ایک فن کار تھا۔
شب بیداری	رات کو جاگنا	شب بیداری کے باعث اسلم پر نیند کا غلبہ ہے۔
خوش خبری	اچھی خبر	میں تمہارے لئے ایک خوش خبری لایا ہوں۔
اعزاز	عزت	قومی کرکٹ ٹیم کی فتح ملک کے لیے اعزاز ہے۔
کارنامہ	بڑا کام	ڈاکٹر عبد القدیر خان کا پاکستان کو ایٹمی قوت بنانا ایک بڑا کارنامہ ہے۔
شیش محل	شیشوں کا محل	شہزادی شیش محل میں رہتی ہے۔
کش مکش	الجھن، خلش	پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر کشمکش جاری ہے۔
نمائش گاہ	دکھانے کی جگہ	فن پاروں کی نمائش گاہ میں لوگوں کی بھیڑ تھی۔
سرپرستی	سہارا، نوازنا	قائد اعظم کی سرپرستی میں پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔
مصور نواز	تصویریں بنانے والوں کا قدردان	تجمل ایک مصور نواز شخص تھا۔

free ilm.

Report any mistake ?

at : **freeilm786@gmail.com**

Want to get all subject notes ?

visit: **freeilm.com**

9 ۔ امتحان

مرزا فرحت اللہ بیگ

خلاصہ

مرزا فرحت اللہ بیگ کا شمار اردو کے ممتاز مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کا اندازِ تحریر سادہ اور پُر لطف ہے۔ اس سبق میں وہ کہتے ہیں کہ لوگ امتحان کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے گھبرانے پر ہنسی آتی ہے۔ بندے پر امتحان کا نہ رتی برابر اثر پہلے تھا اور نہ اب ہے آخر امتحان ایسا کیا ہوتا ہے؟ دو صورتیں ہیں فیل یا پاس اس سال کامیاب نہ ہوئے تو اگلے سال سہی۔ جی چاہتا ہے کہ تمام عمر امتحان ہوتے ہی رہیں لیکن پڑھنے اور یاد کرنے کی شرط اٹھا دی جائے۔ میں نے دو سال میں لاء کلاس کا کورس مکمل کر لیا مگر کس طرح کیا؟ لو سنو! شام کو یاروں کے ساتھ ٹہلنے نکلتا، واپسی پر کلاس میں بھی جھانک آتا، منشی صاحب دوست تھے اور لیکچرار صاحب پڑھانے میں غرق، حاضری کی تکمیل میں کچھ دشواری نہ تھی۔ قبلہ والد صاحب بہت خوش تھے کہ بیٹے کو قانون کا شوق ہو چلا ہے۔ کسی زمانے میں بڑے بڑے وکیلوں کے کان کترے گا، بہر حال "لا کلاس" کا صداقت نامہ ملا تو والد صاحب امتحان وکالت کی تیاری کے لیے سر ہو گئے۔ میں نے تقاضا کیا کہ علیحدہ کمرہ مل جائے تو محنت کروں۔ والدہ نے اپنے آرام کرنے کا کمرہ خالی کر دیا۔ میں نے دروازوں کے شیشوں پر کاغذ چپکا دیے۔ لیمپ روشن کر کے شام سات بجے سو جاتا اور صبح نو بجے اٹھتا۔ اگر کسی نے آواز دی تو ڈانٹ دیتا کہ خواہ مخواہ میری پڑھائی میں مخل نہ ہوں۔ بعض اوقات والدین کہتے کہ اتنی محنت نہ کیا کرو۔ لیکن زمانے کی ترقی کا نقشہ کھینچ کر ان کا دل خوش کر دیتا۔ قصہ مختصر امتحان میں شرکت کی درخواست دی گئی اور ایک دن ایسا آیا کہ ہم امتحان گاہ میں پہنچ گئے۔ گو کچھ بھی یاد نہیں کیا تھا لیکن دو وجہ سے کامیابی کی امید تھی۔ اوّل تو "امدادِ غیبی" "دوسرے پرچوں کی الٹ پھیر"۔ پونے دس بجے گھنٹی بجی اور ہم بسم اللہ کہہ کر امتحان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک بہت خلیق اور ہنس مکھ نگران تھے، مجھے جگہ نہیں ملتی تھی، میں نے ان سے کہا، وہ میرے ساتھ ہو لیے، جگہ بتائی اور بڑی دیر تک ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ میں سمجھا چلو بیڑا پار ہے۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ ٹھیک دس بجے پرچہ تقسیم ہوا۔ میں نے پرچہ لیا اور کئی مرتبہ اول سے آخر تک پڑھ گیا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ کس مضمون کا ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ گارڈ صاحب فوراً آئے۔ میں نے پوچھا جناب یہ پرچہ کس مضمون کا ہے؟ وہ مسکرائے، زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر پرچے کے عنوان پر انگلی رکھ دی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ "اصولِ قانون" کا پرچہ ہے۔ دل کھل گیا۔ میں نے بھی قلم اٹھا کر لکھنا شروع کر دیا۔ اپنے برابر والے سے پوچھنے کی کوشش بھی کی، کچھ اِدھر اُدھر نگاہ بھی دوڑائی، مگر گارڈ صاحب تاڑ گئے تھے۔ ذرا میں نے گردن پھیری اور انہوں نے آواز دی کہ "جناب اپنے پرچے پر نظر رکھیے"۔ غرض اس طرح امتحان کے تمام دن گزر گئے۔ اب ممتحنوں کے پاس سفارش کی سوجھی۔ والد صاحب ایک زبردست سفارشی چھٹی لے کر ایک صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ خادم زادہ اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے۔ اگر آپ کوشش فرمائیں تو یہ خانہ زاد ہمیشہ ممنونِ احسان رہے گا۔ وہ بہت ہنسے اور دوسرے لوگوں سے جو سلام کو حاضر ہوئے تھے، فرمانے لگے: یہ عجیب درخواست ہے، ان کا بیٹا تو امتحان دے اور خوش کوشش میں کروں۔ بندہ خدا اپنے لڑکے سے کہو کہ وہ خود کوشش کرے۔ بیچارے بڑے میاں ایسے نادم ہوئے کہ پھر کسی کے پاس نہ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد نتیجہ شائع ہوا تو کم ترین جملہ مضامین میں بدرجہ اعلیٰ فیل ہوا۔ والد صاحب کو بہت دکھ ہوا۔ نمبروں کی نقل حاصل کی اور بالآخر یہی نتیجہ اخذ کیا گیا کہ کسی بد معاش چپراسی نے پرچے بدل دیے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ برابر تین گھنٹے لکھا جاتا اور صفر ملتا۔ مجھے تعجب تھا کیونکہ میں نے پرچے کچھ

ایسے بُرے نہ کیے تھے۔ والد صاحب نے فرمایا بیٹا! گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اس سال نہیں، آئندہ سال سہی۔ آخر کہاں تک بے ایمانی ہو گی۔ سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر 1:

منشی صاحب دوست تھے اور لکچرار صاحب پڑھانے میں مستغرق، حاضری کی تکمیل میں کچھ دشواری نہ تھی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ "لاء کلاس" میں شریک ہونے سے میرے کس مشغلے میں فرق آسکتا تھا؟ والد صاحب قبلہ خوش تھے کے بیٹے کو قانون کا شوق ہو چلا ہے۔ کسی زمانے میں بڑے بڑے وکیلوں کے کان کترے گا۔

سبق کا عنوان: امتحان مصنف کا نام: مرزا فرحت اللہ بیگ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مستغرق	ڈوبا ہوا ہونا	تکمیل	مکمل ہونا
دشوار	مشکل	کان کترے گا	آگے بڑھ جانا

تشریح:

مرزا فرحت اللہ بیگ ایک ایسے طالبِ علم سے ہمیں متعارف کرواتے ہیں جس کا دل پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا جو کالج تو جاتا ہے لیکن کمرہ جماعت میں جانے سے کتراتا ہے۔ چنانچہ حاضری لگانے کا یہ طریقہ نکالا کہ اس کلرک سے دوستی کر لی جو طلبہ کی حاضری لگایا کرتا تھا۔ چونکہ لیکچرار صاحب پڑھانے میں اس قدر مصروف ہوتے تھے کہ انہیں گرد و پیش کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی ایسی صورت حال میں چپکے سے کلاس میں آ کر کلرک سے حاضری لگوانے کے بعد وہاں سے نکل جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا چنانچہ "لا کلاس" میں اس طرح شریک ہونے سے مصنف کی دوسری مصروفیات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ والد صاحب خوش تھے کہ بیٹا قانون کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور آنے والے زمانے میں وہ بڑے بڑے وکلاء سے آگے نکل جائے گا۔ ایک طالب علم کا اصل کام علم کا حصول ہوتا ہے لیکن بہت سے طالبِ علم ایسے بھی ہوتے ہیں جو استاد کو اپنے والدین کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید وہ بڑی چالاکی کا مظاہرہ کر رہے ہیں حالانکہ وہ دوسروں کو نہیں اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب امتحان کا موقع آتا ہے تو پھر وہ کچھ نہیں کر پاتے چنانچہ یا تو وہ پاس ہونے کے لیے کوئی منفی راستہ اختیار کرتے ہیں یا پھر ناکامی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

اقتباس نمبر 2:

میں نے بھی تقدیر اور تدبیر پر ایک چھوٹا سا لیکچر دے کر ثابت کر دیا کہ تدبیر کوئی چیز نہیں، تقدیر سے تمام دنیا کے کام چلتے ہیں۔ قصہ مختصر درخواست شرکت دی گئی اور منظور ہو گئی اور ایک دن وہ آیا کہ ہم ہال ٹکٹ لیے ہوئے مقام امتحان پر پہنچ ہی گئے۔ گو یاد نہیں کیا تھا لیکن دو وجہ سے کامیابی کی امید تھی۔ اوّل تو "امدادِ غیبی" دوسرے "پرچوں کی اُلٹ پھیر"

سبق کا عنوان: امتحان مصنف کا نام: مرزا فرحت اللہ بیگ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تقدیر	قسمت، نصیب	قصہ مختصر	کہانی کا اختصار، الغرض
تدبیر	ترکیب، ذہنی کوشش	لیکچر	خطبہ، تقریر

سیاق وسباق:

مرزا فرحت اللہ بیگ امتحان کے حوالے سے لطیف پیرائے میں کہتے ہیں کہ لوگ امتحان کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے گھبرانے پر ہنسی آتی ہے۔ میں لا کلاس کا کورس دو سال میں اسی طرح کیا کہ سیر و تفریح میں وقت گزارتا اور واپسی پہ کلاس میں حاضری لگوا آتا- دو سال بعد والد صاحب نے امتحان کی تیاری پر زور دیا۔ میں نے تقاضا کیا کہ علیحدہ کمرہ مل جائے تو محنت کروں۔ الگ کمرہ ملا۔ میں نے سو کر وقت ضائع کر دیا۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔ بعد کے سبق میں مصنف کو امتحان میں مدد نہ ملی اور وہ فیل ہو گیا۔

تشریح:

انسان اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے نہ جانے کہاں کہاں سے دلیلیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتا ہے مصنف ہمیں ایک ایسے طالب علم سے متعارف کراتے ہیں جو محنت کرنے کے بجائے کامیابی کے حصول کے لیے منفی ہتھکنڈے تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ تدبیر کی بجائے تقدیر کے فیصلہ کن کردار کے لیے دلائل دیتا ہے کہ تدبیر کچھ نہیں ہے تقدیر یعنی قسمت کا لکھا ہی سب کچھ ہے۔ اس دنیا میں تدبیر کی کوئی اہمیت نہیں دنیا کے تمام تر معاملات تقدیر کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔ تقدیر پرستی در حقیقت اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں سے فرار کا نام ہے، تقدیر پرست انسان ہر اچھے برے عمل کو تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر خود کو بری الذمہ ہو جاتا ہے تاکہ اسے لوگوں کی باتوں یا ردعمل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ کہہ سکے کہ اگر میں اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہو گیا ہوں تو اس کا سبب میں نہیں میری کوئی کوتاہی نہیں بلکہ میری قسمت میں ایسا لکھا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے" (القرآن)

مرزا فرحت اللہ بیگ رقم طراز ہیں کہ ہم نے امتحان میں شرکت کی درخواست دی جو منظور ہوئی اور آخر وہ دن آ گیا جب ہم اجازت نامہ لے کر امتحانی مرکز پہنچ گئے کامیابی کے بارے میں ہمارے پر امید ہونے کی دو وجوہات تھیں (1) غیبی امداد (2) پرچوں کا الٹ پھیر ہم اُمید لگائے ہوئے تھے کہ نگران کی مدد سے ہم پرچہ حل کریں گے یا پھر ہمارا پرچہ کسی لائق طالب علم کے پرچے سے بدل دیا جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ دکھائی دیں۔ مصنف ہمارے سامنے یہ صورتحال اس طرح پیش کرتا ہے کہ ہمیں طالب علم پر ہنسی آتی ہے اس کی نالائقی اور نہ سمجھی کی وجہ سے اس سے کسی حد تک ہمدردی بھی محسوس ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہم اس جیسا بننا پسند نہیں کرتے۔ یہی مصنف کی کامیابی ہے کہ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں یہ سبق دے دیا کہ تقدیر پرستی کی بجائے عمل پر یقین ہونا چاہیے اور غلط طریقے اختیار کرنے کے بجائے محنت کی بنیاد پر کامیابی کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

اقتباس نمبر 3:

والد صاحب ایک زبردست چھٹی سفارش کی لے کر ایک صاحب کے یہاں پہنچے۔ وہ چھٹی دیکھ کر بہت اخلاق سے ملے، آنے کی وجہ دریافت کی۔ والد نے عرض کیا کہ خادم زادہ اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے۔ اگر آپ کوشش فرمائیں تو یہ خانہ زاد ہمیشہ ممنون احسان رہے گا ۔ وہ بہت ہنسے اور دوسرے لوگوں سے جو سلام کو حاضر ہوئے تھے، فرمانے لگے یہ عجیب درخواست ہے۔

سبق کا عنوان: امتحان مصنف کا نام: مرزا فرحت اللہ بیگ

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دریافت	پوچھنا	خادم زادہ	نوکر کا بیٹا
خانہ زاد	بیٹا	ممنون	احسان شکر گزار

تشریح:

ایک زمانے میں امتحانی پرچے پڑتال کے لیے اساتذہ کے گھروں میں جاتے تھے۔ بعض لوگ درس گاہوں کے امتحانی عملے سے مل ملا کر یہ سراغ لگالیتے تھے کہ ان کا پرچہ کس ممتحن کے پاس گیا ہے چنانچہ وہ سفارش کرانے پہنچ جایا کرتے تھے۔ تشریح طلب اقتباس میں ایسی ہی صورتحال کو بیان کیا گیا ہے کہ طالب علم کو اندازہ ہے کہ اگر معیار اور اہلیت کی بنیاد پر پرچے دیکھے گئے تو وہ فیل ہو جائے گا چنانچہ وہ اپنے والد صاحب کے ہمراہ ایک سفارشی رقعہ لے کر ایک ممتحن کے پاس پہنچتا ہے اور چھٹی پیش کرتا ہے ممتحن چھٹی دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے ملتے ہیں اور آنے کا سبب پوچھتے ہیں۔ طالبعلم کے والد صاحب جب مقصد بتاتے ہیں کہ ان کا بیٹا اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے اور اس کا پرچہ آپ کے پاس ہے اگر آپ مہربانی کریں تو میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔ ممتحن اس درخواست پر بہت ہنسے اور ان لوگوں سے جو ان کے پاس تشریف رکھتے تھے کہنے لگے کہ یہ عجیب درخواست ہے کہ امتحان ان کا بیٹا دے اور کوشش میں کروں۔ اصل میں جب کوئی انسان اپنا کام خود نہیں کرتا تو کوئی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ کام نہ کرنے والا امیدوار خود تو دوسروں کے سامنے نادم ہوتا ہے لیکن وہ اپنے ساتھ اور کئی لوگوں کو امتحان میں ڈال دیتا ہے۔ نالائق طالب علم نے اپنے والد کو آزمائش میں ڈالا کہ وہ بیٹے کے لئے سفارشی رقعہ لیں پھر انہیں ساتھ لے کر ممتحن کے پاس گیا جس کی سچی اور کھری باتیں والد صاحب کے لئے باعث شرمندگی و ندامت ہوئیں۔ یہی طالب علم اگر وقت ضائع نہ کرتا دل لگا کر پڑھتا، محنت کرتا تو کامیاب ہوتا اور اس کی کامیابی اس کے والد کے لیے باعث فخر قرار پاتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح کے کردار ہماری روزمرہ زندگی میں آئے دن دکھائی دیتے رہتے ہیں۔ جن کا وجود خود ان افراد کے لیے بھی اور ان سے متعلق افراد کے لئے بھی باعث شرم ہوتا ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) مضمون نگار کو امتحان سے گھبرانے والوں پر ہنسی کیوں آتی ہے؟

جواب: مضمون نگار کو امتحان سے گھبرانے والوں پر ہنسی اس لیے آتی ہے کہ اس سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ امتحان میں دو ہی صورتیں ہیں، فیل یا پاس، اگر فیل ہو گئے تو اگلی مرتبہ سہی۔

(ب) جوں جوں امتحان کے دن قریب آتے جاتے، مضمون نگار کے دوستوں اور ہم جماعتوں کا کیا حال ہوتا؟

جواب: جوں جوں امتحان کے دن قریب آتے جاتے، مضمون نگار کے دوستوں کے حواس اور اُن کا دماغ مختل ہو جاتا۔

(ج) مضمون نگار نے کون سا امتحان دیا تھا؟

جواب: مضمون نگار نے لاء کلاس کا امتحان دیا تھا۔

(د) مضمون نگار نے امتحان دیا تو نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: مضمون نگار بدرجہ اعلیٰ فیل ہوا۔

(ہ) مضمون نگار کے والد نے کس طرح اسے تسلی دی؟

جواب: مضمون نگار کے والد نے فرمایا: بیٹا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اس سال نہیں آئندہ سال سہی آخر کہاں تک بے ایمانی ہو گی۔

سوال 3: مندرجہ ذیل الفاظ اور تراکیب کے معانی لکھیں۔

مختل: برہم۔ بگڑا ہوا۔ پریشان۔

مستغرق: مصروف۔ ڈوبا ہوا۔ محو۔

محویت: انہماک۔ فریفتگی۔ گمشدگی۔

امدادِ غیبی: باہر کی مدد۔ باہر سے مدد کرنے والا۔ وسیلہ کرنے والا۔

ممتحن: امتحان لینے والا۔ جانچنے والا۔

تشفی: تسلی۔ شفا پانا۔ تسکین۔ دل جمعی۔

اشک شوئی: تسلی دینا۔ دلاسا دینا۔ آنسو پونچھنا۔

کم ترین: تھوڑا سا۔ ذرا سا۔ خفیف۔

بدرجہ اعلیٰ: اعلیٰ درجہ کا۔

خادم: شاگرد۔ نوکر۔ خدمت کرنے والا۔ (جمع خدام۔ خدم)

سوال 4: واحد الفاظ کی جمع لکھیں۔

جوابات:

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
امتحان	امتحانات	خیال	خیالات	مشغلہ	مشاغل
وکیل	وکلاء	ممتحن	ممتحنین	تدبیر	تدابیر
مضمون	مضامین				

سوال 5: اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں۔

حَوَاس، مُختل، مَشْغَلَہ

خَلیق، مُستَغرِق

سوال 6: متن کو مدنظر رکھتے ہوئے درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) بندے پر امتحان کا اثر نہیں تھا۔

(الف) ✓ رتی بھر (ب) ذرا برابر (ج) بالکل (د) معمولی

(ب)طالب علم نے کتنے سال میں لا کلاس کا کورس پورا کیا؟

(الف)چار سال میں (ب)✓ دو سال میں (ج) تین سال میں (د)پانچ سال میں

(ج)لا کالج میں کون طالب علم کا دوست تھا؟

(الف)لیکچرار صاحب (ب)پرنسپل صاحب (ج)✓ منشی صاحب (د)چوکیدار

(د)طالب علم نے کس سے پوچھا کہ یہ پرچہ کس مضمون کا ہے؟

(الف)نگران صاحب سے (ب)✓ گارڈ صاحب سے (ج)سپرنٹنڈنٹ سے (د)کسی طالب علم سے

(ہ) طالب علم کتنی دیر میں کمرے سے باہر نکل آتا؟

(الف)ایک گھنٹے بعد (ب)✓ آدھا گھنٹا بعد (ج)دو گھنٹے بعد (د)تین گھنٹے بعد

سوال7: متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) لوگ--------کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے-------پر ہنسی آتی ہے۔ (امتحان، گھبرانے)

(ب) والد صاحب قبلہ-------تھے کہ بیٹے کو-------کا شوق ہو چلا ہے۔ (خوش، قانون)

(ج) کسی زمانے میں بڑے بڑے--------کے کان کترے گا۔ (وکیلوں)

(د) لیمپ روشن کر کے آرام سے--------سو جاتا اور صبح-------اٹھتا۔ (سات بجے، نو بجے)

(ہ) قصہ مختصر درخواست شرکت دی گئی اور----------ہو گئی۔ (منظور)

(و) یہاں ایک بہت--------اور--------نگرانِ کار تھے۔ (خلیق، ہنس مکھ)

(ز) ایک------ایک اصول قائم کرتا ہے، دوسرا اس کو توڑ دیتا ہے۔ (مقنن)

(ح) والد صاحب روز--------آ جاتے اور-------صحن میں بیٹھے رہتے۔ (گیارہ بجے، نیچے)

(ط) والد نے عرض کیا کہ--------اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے۔ (خادم زادہ)

(ی) سو دن------کے تو ایک دن------کا۔ (چور، شاہ)

سوال8: متن کو مد نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیئے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

جوابات:

کالم(الف)	کالم(ب)	کالم(ج)
فرحت اللہ بیگ	لاء کلاس	امتحان
فیل	مرتا	پاس
جینا	بُڑھیا	مرنا
دو سال	امتحان	لاء کلاس
بڈھا	پاس	بُڑھیا
تقدیر	ناکامیابی	تدبیر

مشکل منظور آسان

کامیابی تدبیر ناکامیابی

درخواست آسان منظور

Report any mistake ?

at : **freeilm786@gmail.com**

Want to get all subject notes ?

visit: **freeilm.com**

10 ۔ ملکی پرندے اور دوسرے جانور

شفیق الرحمان

خلاصہ

شفیق الرحمان اُردو کے مشہور مزاح نگار ہیں۔ ان کا مزاج شائستہ اور سلجھا ہوا ہوتا ہے۔

کوّا صبح صبح موڈ خراب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کوّا گا نہیں سکتا مگر کوشش بھی نہیں کرتا۔ وہ صرف کائیں کائیں کرتا ہے، جس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ کوّے کالے ہوتے ہیں۔ یہ کالے کیوں ہوتے ہیں؟ اس کا جواب بھی بہت مشکل ہے۔ کوّے کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو وہ نہیں دیکھتا وہ اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں دیکھا جائے۔ کوّا بڑا بے چین رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی مختصر ہے اس لیے وہ جگہ جگہ اڑ کر جاتا ہے کیونکہ وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ کوّا باورچی خانے کے پاس بہت مسرور رہتا ہے۔ کہیں بندوق چلے تو کوّے اسے ذاتی توہین سمجھتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور اتنا شور مچاتا ہے کہ بندوق چلانے والا مہینوں پچھتاتا رہتا ہے۔ بارش میں نہاتے ہوئے کوّے حفظانِ صحت کا خیال نہیں رکھتے۔ کوّا سوچ بچار سے دور رہتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ زیادہ فکر اعصابی مریض بنا دیتی ہے۔ کوّے اُڑ رہے ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ شرط لگا کر اڑ رہے ہیں۔ کوّے فکرِ معاش میں دور دور نکل جاتے ہیں لیکن کبھی گھر نہیں بھولتے۔ اگر آپ کوّوں سے نالاں ہیں تو یہ مت بھولیے کہ کوّے بھی آپ سے نالاں ہیں۔

بلبل ایک خوش گلو روایتی پرندہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے سوائے وہاں کے جہاں اسے ہونا چاہیے۔ شاعروں نے نہ بلبل دیکھی ہے، نہ اسے سنا ہے، کیونکہ اصلی بلبل اس ملک میں نہیں پائی جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں کہیں کہیں بلبل ملتی ہے لیکن کوہ ہمالیہ کے دامن میں شاعر نہیں ہوتے۔ عام طور پر بلبل کو آہ وزاری کی دعوت دی جاتی ہے لیکن بلبل کو ایسی باتیں پسند نہیں ہیں۔ بلبل پروں سمیت محض چند انچ لمبی ہوتی ہے اگر پروں کو نکال دیا جائے تو کچھ زیادہ بلبل نہیں بچتی۔ ماہرین کا خیال ہے کہ بلبل کے گانے کی وجہ اس کی غمگین زندگی ہے۔ بلکل پکے راگ گاتی ہے یا کچے؟ بہر حال وہ بہت سے موسیقاروں سے بہتر ہے۔ بلبل کبھی سفر نہیں کرتی۔ اس کا خیال ہے کہ وہ پہلے سے ہی وہاں ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے تھا۔

بھینس موٹی اور خوش طبع ہوتی ہے۔ بھینس کا ہم عصر چوپایہ، گائے دنیا بھر میں موجود ہے لیکن بھینس کا فخر صرف ہمیں ہی نصیب ہے۔ بھینس کے بچے شکل وصورت میں ننھیال اور ددھیال دونوں پر جاتے ہیں لہذا فریقین ایک دوسرے پر تنقید نہیں کر سکتے۔ بھینس کا مشغلہ جگالی کرنا ہے یا تالاب میں لیٹے رہنا۔ اس کو اکثر نیم باز آنکھوں سے افق کو تکتی رہتی ہے۔ لوگ قیاس آرائیاں کرتے ہیں کہ وہ کیا سوچتی ہے؟ وہ کچھ نہیں سوچتی، اگر سوچ سکتی تو رونا کس بات کا تھا۔ بھینس کا حافظہ کمزور ہے۔ اسے کل کی بات آج یاد نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے انسان سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ بھینسا بالکل نکما سمجھا جاتا ہے۔ اسے ہل میں جوتنے میں ناکامی ہوئی ہے کیونکہ وہ دائمی طور پر تھکا ہوا ہے اور ازلی سست ہے کیوں کہ اس نے بچپن میں بھینس کا دودھ پیا تھا۔ بھینس کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ بھینس کو بین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اُلّو بردبار اور دانشمند ہے لیکن پھر بھی اُلّو ہے۔ وہ کھنڈروں میں رہتا ہے لیکن کھنڈر بننے کی وجوہات دوسری ہیں۔ ویسے اُلّوؤں کی عادتیں آپس میں اس قدر ملتی جلتی ہیں کہ ایک اُلّو کو دیکھ لینا تمام اُلّوؤں کو دیکھ لینے کے مترادف ہے۔ اُلّو دن بھر آرام کرتا ہے اور رات بھر "ہو ہو" کرتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اُلّو "تو ہی تو" کا وظیفہ پڑھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ ان خود پسندوں سے ہزار درجہ بہتر ہے، جو ہر وقت "میں ہی میں" کا ورد کرتے ہیں۔ اُلّو خاموش رہتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ حسِ مزاح سے محروم ہے۔ اُلّوؤں کو برا بھلا کہتے وقت یہ مت بھولیے کہ انہوں نے اُلّو بننے کی التجا نہیں کی تھی۔

بلیوں کی کئی قسمیں بتائی جاتی ہیں۔ بلی دوسروں کا نکتہ نظر نہیں سمجھتی۔ اگر اسے بتایا جائے کہ ہم دنیا میں دوسروں کی مدد کرنے آئے ہیں تو اس کا پہلا سوال یہ ہو گا کہ دوسرے یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ بلی سال بھر میں سدھائی جا سکتی ہے۔ بلی اور باقی جانوروں میں فرق یہ ہے کہ باقی دودھ پلانے والے جانور ہیں اور بلی دودھ پینے والے جانوروں سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر غلطی سے دودھ کھلا رہ جائے تو آپ کی سدھائی ہوئی بلی پی جائے گی۔ اگر آپ دودھ کو قفل لگا کر رکھتے ہیں تب بھی بلی پی جائے گی کیونکہ یہ ایک راز ہے جو بلیوں تک محدود ہے۔ بلی اور کتے کی رقابت مشہور ہے، بلی برداشت نہیں کرتی کہ انسان کا کوئی وفادار دوست ہو، چند بلیلاں گھر میں سارے چوہوں کو ختم کر سکتی ہیں۔ چوہے تو رفع ہو جائیں گے مگر بلیلاں رہ جائیں گی۔ بلیلاں دوپہر کو سو جاتی ہیں۔ کیونکہ رات تک انتظار نہیں کر سکتیں۔ بعض اوقات بظاہر سوتی ہوئی بلی چپکے سے باہر نکل جاتی ہے۔ اس سے باز پرس کی جائے تو خفا ہو جاتی ہے۔ ایک ہی گھر میں سالہا سال گزارنے کے باوجود انسان اور بلی اجنبی رہتے ہیں۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

عام طور پر بلبل کو آہ وزاری کی دعوت دی جاتی ہے اور رونے پیٹنے کے لیے اکسایا جاتا ہے۔ بلبل کو ایسی باتیں بالکل پسند نہیں۔ ویسے بلبل ہونا کافی مضحکہ خیز ہوتا ہو گا۔ بلبل اور گلاب کے پھول کی افواہ کسی شاعر نے اڑائی تھی جس نے رات گئے گلاب کی ٹہنی پر بلبل کو نالہ وشیون کرتے دیکھا تھا۔

سبق کا عنوان: ملکی پرندے اور دوسرے جانور **مصنف کا نام:** شفیق الرحمٰن

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آہ وزاری	رونا دھونا/رونا پیٹنا	نالہ وشیون	رونا پیٹنا، فریاد کرنا، آہ وزاری کرنا
رونے پیٹنے	گریہ وزاری	مضحکہ خیز	ہنسی مذاق میں ڈالنے والی بات

سیاق وسباق:

تشریح طلب پیراگراف شفیق الرحمان کے مضمون ملکی پرندے اور دوسرے جانور کے ذیلی مضمون بلبل سے لیا گیا ہے۔ مضمون نگار بیان کرتا ہے کہ بلبل ایک روایتی پرندہ ہے یہ ہر جگہ پر موجود ہوتا ہے سوائے وہاں کے جہاں اُسے ہونا چاہیے۔ ہم ہر خوش گلو پرندے کو بلبل سمجھتے ہیں اس میں قصور ہمارا نہیں ہمارے ادب کا ہے۔ شاعروں نے بلبل دیکھی ہے نہ اُسے سنا ہے۔ کیونکہ اصلی بلبل اس ملک میں نہیں پائی جاتی۔ بلبل کو رونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ افواہ ہے۔

تشریح:

شعر و ادب کی دنیا میں بعض پرندوں سے کئی کہانیاں وابستہ ہیں۔ ان پرندوں میں سے ایک بلبل بھی ہے۔ بلبل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے گلاب کے پھول سے محبت ہوتی ہے اور اپنے محبوب کو دیکھنے کے لیے بے چین رہتی ہے اس کے فراق میں آہ وزاری کرتی ہے۔ تشریح طلب اقتباس میں شفیق الرحمٰن بلبل کی آہ وزاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عام طور پر بلبل کو رونے دھونے کے لیے اکسایا جاتا ہے یہ اُردو کے ایک انتہائی معروف شعر کی طرف کنایہ ہے:

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں

تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

شفیق الرحمٰن کا موقف ہے کہ بلبل کو ایسی باتیں بالکل پسند نہیں۔ ویسے بلبل ہونا کافی ہنسی والی بات ہوتی ہے۔ بلبل اور گلاب کی محبت کے بارے میں مشہور کہانی کو بھی وہ کسی شاعر کی اڑائی ہوئی افواہ قرار دیتے ہیں۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ ایک لڑکے سے اس کی محبوبہ نے گلاب کا پھول لانے کی فرمائش کی۔ لڑکا باغ میں پہنچا لیکن وہ موسم گلاب کا نہیں تھا وہ بہت دکھی ہوا۔ بلبل سے اس کا دکھ دیکھا نہ گیا اس نے اپنا خون گلاب کے پھول کو دے کر ایک پھول پودے کی ٹہنی پر کھلا دیا۔ جسے وہ لڑکا لے کر اپنی محبوبہ کے پاس چلا گیا۔ بلبل نے محبت کرنے والوں کی خوشی کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ شفیق الرحمٰن ان مروجہ قصہ کہانیوں کو حقیقت پر مبنی قرار نہیں دیتے ان کا موقف یہ ہے کہ یہ شعرائے کرام کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں ان میں کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ ایسا مصنف کے خیالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اور اس کی تمام تر ہمدردیاں بلبل کے ساتھ ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ بلبل کے بارے میں جو قصے کہانیاں بیان کی جاتی ہیں ان کی تصحیح کر لی جائے۔ ان کے اختصار میں تفصیل ہے دو جملوں میں انہوں نے ایک ضرب المثل شعر اور ایک کہانی بیان کر دی ہے۔

اقتباس نمبر 2:

دن بھر اُلّو آرام کرتا ہے اور رات بھر ہُو ہُو کرتا ہے۔ اس میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ میرا قیاس اتنا ہی صحیح ہے جتنا کہ آپ کا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اُلّو تُو ہی تُو کا وظیفہ پڑھتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ ان خود پسندوں سے ہزار درجے بہتر ہے، جو ہر وقت مَیں ہی مَیں کا ورد کرتے رہتے ہیں۔

سبق کا عنوان: ملکی پرندے اور دوسرے جانور **مصنف کا نام:** شفیق الرحمٰن

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ورد	ذکر، ایک ہی بات بار بار دہرانا	قیاس	اندازہ / خیال
پوشیدہ	چھپا ہوا	مصلحت	حکمت، بھلائی

تشریح:

اُلّو کو ہمارے ہاں بے وقوفی اور بربادی کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ مغرب میں اسے دانشوری کا نشان قرار دیا جاتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اُلّو سارا دن سویا رہتا ہے اور رات کو جاگ جاگ کر بولتا رہتا ہے شفیق الرحمٰن کا موقف یہ ہے کہ اُلّو دن بھر آرام کرنے کے بعد ساری رات "ہو، ہو" کا ورد کرتا ہے۔ "ہو" عربی کا اسم ضمیر ہے؟ قرآن مجید میں یہ لفظ اللہ کے لئے اسم ضمیر کے طور پر آیا ہے "ہو ہو" کا ورد کرنا گویا اللہ کو رات بھر یاد کرنا ہے۔ اگر یہ مفروضہ یا خیال درست ہے تو شفیق الرحمٰن اُلّو کو ان لوگوں سے بدرجہا بہتر قرار دیتے ہیں جنہیں اپنی ذات سے

آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا جو ہر وقت میں میں کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔ ہر بات میں ہر معاملے میں "میں" کا اظہار خود پسندی کی علامت ہے۔ جو انسان کو تکبر کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ایک ایسے عمل کی طرف جو اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے ۔ اللہ کسی کے غرور کو پسند نہیں کرتا۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ "غرور کا سر نیچا"۔ شفیق الرحمٰن کے نزدیک مغرور انسانوں سے وہ الّو بہتر ہے جو خود پسند نہیں بلکہ ذکر خداوندی کو مقدم سمجھتا ہے۔ اصل میں جو شخص غرور کرتا ہے وہ اپنی ہر بات کو اپنی ہر رائے کو اپنے ہر خیال اور عمل کو درست سمجھنے لگتا ہے اور بعض اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنی ذات کو ہر چیز کے لیے معیار قرار دینے لگتا ہے جو نہ صرف ناپسندیدہ رویہ ہے بلکہ غیر صحت مندانہ رویہ بھی ہے۔ جب کوئی ایک فرد اپنے آپ کو دوسرے تمام لوگوں سے برتر سمجھنے لگے تو نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ اس مرحلے پر "الّو" ایک نئی معنویت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ جسے بے وقوف سمجھا جا رہا ہے وہ بے وقوف نہیں بلکہ سمجھدار ہے اور انسان جو اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا ہے اگر خود پسندی میں مبتلا ہے تو وہ عقل سے پیدل ہے۔

اقتباس نمبر3:

اگر غلطی سے دودھ کھلا رہ جائے تو آپ کی سدھائی ہوئی بلی پی جائے گی۔ اگر دودھ کو بند کر کے قفل لگا دیا جائے تب بھی پی جائے گی، کیونکر؟ یہ ایک راز ہے جو بلیوں تک محدود ہے۔

سبق کا عنوان: ملکی پرندے اور دوسرے جانور **مصنف کا نام:** شفیق الرحمن

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قفل	تالا، لاک	محدود	مخصوص، کی حد تک
سدھائی	سکھائی	راز	اسرار، چھپی ہوئی بات

تشریح:

مشرق و مغرب میں بلی ایسے جانوروں میں شامل ہے جسے لوگ گھروں میں پالتے ہیں عام طور پر پالتو جانور کے بارے میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اسے جیسا کہا جائے وہ ویسا ہی کرتا ہے۔ وہ مالک کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ شفیق الرحمٰن اس مفروضے کو رد کرتے نظر آتے ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ اگر آپ دُودھ کُھلا چھوڑ دیں گے تو آپ کی پالتو بلی دُودھ پی جائے گی۔ اصل میں جانور اپنی جبلّت کا پابند ہوتا ہے۔ اسے سدھانے کا عمل جتنی بھی احتیاط اور ذمہ داری سے کیا جائے کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی اس کی فطرت ضرور ظاہر ہو جاتی ہے۔ بلبلاں دودھ کے معاملے میں شاید اپنی جبلّت کی پابند ہیں اور پالتو بلبلاں جن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ من مانی نہیں کریں گی وہ کھلا دُودھ دیکھ رال ٹپکانا شروع کر دیتی ہیں اور موقع ملتے پی جاتی ہیں اگر دودھ کو کسی الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا جائے بلی تب بھی دُودھ پی جائے گی ایسا کس طرح ممکن ہے شفیق الرحمٰن کے مطابق یہ راز صرف بلبلاں ہی جانتی ہیں۔ ظاہر ہے بلی جتنی بھی سدھائی ہوئی اور سمجھدار کیوں نہ ہو بلی تالا نہیں کھول سکتی تالے میں موجود دودھ پینا کسی انسان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ انسان گھر کا کوئی فرد بھی ہو سکتا ہے اور کوئی ملازم بھی جس سے دودھ پینے کا شوق ہو اور اپنے اس شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ چوری چھپے تالا کھول کر دودھ پی لیتا ہو اور الزام بلی پر لگا دیتا ہو کہ اس نے پیا ہے۔ اس راز کو بلیوں تک محدود کر کے شفیق الرحمٰن چوری چھپے دودھ پینے والے کی صنف کا تعین کر دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے اندر میں سے کوئی دودھ پی جاتا ہے اور الزام بے زبان جانور پر لگا دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی صفائی میں کچھ بول نہیں سکتا۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) کوّا گرامر میں ہمیشہ کیا استعمال ہوتا ہے؟

جواب: کوّا گرامر میں ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔

(ب) پہاڑی کوّا کتنا لمبا ہوتا ہے؟

جواب: پہاڑی کوّا ڈیڑھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔

(ج) بندوق چلے تو کوّے کیا کرتے ہیں؟

جواب: بندوق چلے تو کوّے اسے ذاتی توہین سمجھتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور اتنا شور مچاتا ہے کہ بندوق چلانے والا مہینوں پچھتاتا رہتا ہے۔

(د) ہم ہر خوش گلو پرندے کو بُلبُل سمجھتے ہیں۔ اس میں قصور کس کا ہے؟

جواب: ہم ہر خوش گلو پرندے کو بُلبُل سمجھتے ہیں۔ اس میں قصور ہمارے ادب کا ہے۔

(ہ) بُلبُل کے گانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: بُلبُل کے گانے کی وجہ اس کی غمگین خانگی زندگی ہے۔ بُلبُل انسانوں کو محظوظ کرنے کے لئے ہر گز نہیں گاتی کیونکہ اسے اپنی فکر ہی نہیں چھوڑتی۔

(و) بُلبُل بہت سے موسیقاروں سے کیوں بہتر ہے؟

جواب: بُلبُل بہت سے موسیقاروں سے اس لیے بہتر ہے کہ ایک تو وہ گھنٹے بھر کا الاپ نہیں لیتی۔ بے سُری ہو جائے تو بہانے نہیں کرتی کہ ساز والے نکمّے ہیں، آج گلا خراب ہے وغیرہ وغیرہ۔

(ز) بھینس کا مشغلہ کیا ہے؟

جواب: بھینس کا مشغلہ جُگالی کرنا یا تالاب میں لیٹے رہنا ہے۔

(ح) بھینس کس لحاظ سے انسان سے زیادہ خوش نصیب ہے؟

جواب: بھینس اس لحاظ سے انسان سے زیادہ خوش نصیب ہے کیونکہ اس کا حافظہ کمزور ہے اور اسے کل کی بات آج یاد نہیں رہتی۔

(ط) اُلّو کی کتنی قسمیں بتائی جاتی ہیں؟

جواب: اُلّو کی بیس قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

(ی) اُلّو کو کون پسند کر سکتا ہے؟

جواب: اُلّو کو وہی پسند کرتا ہے جو فطرت کا ضرورت سے زیادہ مداح ہو۔

(س) اُلّو کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی کیوں نہیں؟

جواب: اُلّو کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی اس لیے نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب بے سود ہے۔

(ص) بلی کتنے عرصے میں سدھائی جا سکتی ہے؟

جواب: بلی ایک سال میں سدھائی جاسکتی ہے۔

سوال2: متن کو مدِ نظر رکھ کر درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

(الف) کوّے کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے۔ ✓

(ب) کوّا باورچی خانے کے پاس بہت اداس رہتا ہے۔ ✗

(ج) ہم ہر خوش گلو پرندے کو بُلبُل سمجھتے ہیں۔ ✓

(د) اُلّو شہروں میں رہتا ہے۔ ✗

(ہ) بلی اور کُتّے کی رقابت مشہور ہے۔ ✓

سوال3: دیئے گئے الفاظ میں سے موزوں الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) کوّا گرامر میں ہمیشہ --------استعمال ہوتا ہے۔ (غلط، زیادہ، ✓ مذکر، مونث)

(ب) کوّا باورچی خانے کے پاس بہت --------رہتا ہے۔ (ناخوش، اُداس، خوف زدہ، ✓ مسرور)

(ج) کوّا --------نہیں سکتا اور کوشش بھی نہیں کرتا۔ (سمجھ، ہنس، دوڑ، ✓ گا)

(د) بلبل ایک -------پرندہ ہے۔ (پالتو، گھریلو، ✓ روایتی، عاشق مزاج)

(ہ) --------کی قسمیں نہیں ہوتیں، وہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ (بلی، ✓ بھینس، چڑیا، بلبل)

(و) بھینس کے ------ شکل صورت میں ننھیال اور ددھیال دونوں پر جاتے ہیں۔ (پاؤں، سنگ، بال، ✓ بچے)

(ز) اُلّو کی ------قسمیں بتائی جاتی ہیں۔ (✓ بیس، تیس، چالیس، چند)

(ح) بلیوں کی --------قسمیں بتائی گئی ہیں۔ (ان گنت، ✓ کئی، بہت کم، نایاب)

freeilm.

سوال4: مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

جوابات:

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
صبح	شام	سیاہ	سفید	تیز	سست
اصلی	نقلی	پکا	کچا	خراب	درست
محبت	نفرت	روشن	تاریک		

سوال5: اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

جوابات:

مُذکَّر	مُختصَر	حُجم
مَسرُور	حِفظانِ صحت	خُوش گُلو

مَضحکہ خیز نالہ وشیون نَقلِ وَطن

رُوزمرّہ

سوال 6: مذکر اور مونث الفاظ الگ الگ کریں۔

جوابات:

مذکر: باورچی خانہ، گلاب، اُلّو، راگ، قیاس

مونث: نظر، زندگی، بلبل، آہ وزاری، مصلحت

سوال 7: مصنف نے اُلّو کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے اختصار کے ساتھ بیان کریں۔

جواب: اُلّو بردبار اور دانش مند ہونے کے باوجود اُلّو ہی ہے۔
ویران جگہیں اس کا مسکن ہوتی ہیں۔ پرانے زمانے کے بادشاہوں نے اکثر اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی بیس قسمیں ہے۔ ان کی عادتیں آپس میں بہت ملتی ہیں۔ ان کو پسند کرنے والا فطرت کا بڑا مداح ہوتا ہے۔ روزمرہ کے الو کو 'بوم' اور اس سے بڑے کو 'چغد' کہتے ہیں اور اس سے بڑا ابھی دریافت کیا جارہا ہے۔ اُلّو خود پسندوں سے بہتر ہے کیونکہ وہ 'میں ہی میں' کا ورد کرتے ہیں اور اُلّو 'تو ہی تو' کا۔ حسِ مزاح سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ ذی فہم سمجھا جاتا ہے۔ مادہ چھوٹے اُلّوؤں کا خاصا خیال رکھتی ہے اور بڑے ہونے پر ان کو گھر سے نکال دیتی ہے کیونکہ ان کی شکل اپنے ابّا سے ملنے لگتی ہے۔ ان کی تعلیم وتربیت بے سُود جان کر ترک کر دی جاتی ہے۔ جو اُلّو جنگلوں میں رہتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں۔ ان کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے کیونکہ انہوں نے خود اُلّو بننے کی التجا نہیں کی تھی۔

سوال 8: سبق کا عنوان، مصنف کا نام اور اقتباس کے موقع و محل کی وضاحت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

بُلبُل پکّے راگ گاتی ہے یا کچّے؟--------آپ تنگ آجائیں تو اسے خاموش کرا سکتے ہیں۔

جواب:

سبق کا عنوان: ملکی پرندے اور دوسرے جانور

مصنف کا نام: شفیق الرحمن

تشریح:

مصنف نے اس سبق میں مزاحیہ انداز اختیار کرتے ہوئے مختلف پرندوں اور جانوروں کے بارے میں بتایا ہے۔ بلبل کو روایتی پرندہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن وہاں نہیں جہاں اسے ہونا چاہیے۔ بلبل ہمارے خیال کے مطابق خوش گلو پرندہ ہے۔ اس میں ہمارا نہیں ہمارے شعراء کا قصور ہے کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا نہیں کیونکہ اصل بلبل اس ملک میں نہیں پائی جاتی۔ وہ تو کہیں کوہ ہمالیہ کے دامن میں پائی جاتی ہے۔ بلبل کو آہ وزاری کی دعوت دی جاتی ہے۔ بلبل اور گلاب کے پھول کی محبت کی افواہ بھی کسی دشمن نما شاعر کی اُڑائی ہوئی لگتی ہے۔ ماہرین کے مطابق پروں کو نکال کر کچھ زیادہ بلبل نہیں بچتی اور بلبل اپنی خانگی زندگی کی وجہ سے پریشان ہے۔ بلبل ہرگز نہیں گاتی۔

تشریح طلب اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ بلبل پکے راگ گاتی ہے یا کچّے اس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں لیکن وہ آج کل کے موسیقاروں سے بدرِجہا بہتر ہے۔ نہ تو وہ گھنٹوں راگ الاپتی ہے اور نہ ہی سننے والوں کو اکتاہٹ کا شکار کرتی ہے اور اگر سُر خراب ہو جائے تو بہانے نہیں تراشتی اور نہ ہی سازِندُوں کو بُرا بھلا کہتی ہے کہ نکمّوں نے میرا سُر خراب کر دیا اور نہ ہی گلے کے خراب ہونے کا عُذر پیش کرتی ہے۔ اگر آپ اسے سنتے تنگ آ جائیں تو اسے آسانی سے خاموش کرا سکتے ہیں اور بلبل خوش گلو آپ کو بلا مُعاوضہ سروں سے لطف اندوز کرتی ہے۔ موسم بدلنے کے ساتھ لوگ پہاڑوں کا رُخ کرتے ہیں۔ اسی طرح شاید پرندے بھی نقل مکانی کرتے ہیں۔ اگر بلبل ہمارے ملک آتی ہے وہ اچھے بُرے نتائج کی خود ذمہ دار ہو گی۔

Report any mistake ?

at : **freeilm786@gmail.com**

Want to get all subject notes ?

visit: **freeilm.com**

11 ۔ قدرِ ایاز

کرنل محمد خان

خلاصہ

ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خان کی شگفتہ تحریروں کو اُردو ادب میں خاص مقام حاصل ہے۔ سبق قدرِ ایاز ان کی مزاحیہ آپ بیتی ہے جس میں قرار دیا گیا ہے کہ دیہاتی ہونا معیوب نہیں ہے۔

مصنف (کرنل محمد خان) کو چھاؤنی میں ایک نہایت وسیع و عریض بنگلہ ملا تھا۔ یہ بنگلہ دوسرے کرنیلوں کے مقابلہ میں بالکل مختلف اور جداگانہ تھا یہ بنگلہ دو ایکڑ زمین پر واقع تھا۔ کرنل صاحب نے بھرم قائم رکھنے کے لیے بنگلے کا کچھ ساز و سامان سیکنڈ ہینڈ اور کچھ قسطوں پر حاصل کیا۔ مثلاً قالین، فریج، ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ، کرنل صاحب کے بچے بھی اس ظاہری اور مصنوعی خوشحالی پر خوش تھے۔ کرنل صاحب کا بیٹا سلیم ابھی میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوا تھا۔ وہ دن بھر بے فکری سے دوسرے کرنیل زادوں کے ہمراہ بیڈ منٹن کھیلتا اور شام ہی سے دوستوں کے ساتھ ٹی وی کے سامنے جم جاتا۔ گھر کے بوڑھے ملازم علی بخش کے علاوہ کسی اور کو سلیم کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ علی بخش کو سلیم سے اُنس تھا۔ کیونکہ سلیم اسی کے ہاتھوں میں پلا تھا۔ ایک دن سلیم کی غیر حاضری میں اس کا ایک دوست امجد اسے ملنے آیا اور باہر برآمدے ہی میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ملازم علی بخش نے اسے ٹھنڈا پانی پلایا وہ کافی دیر تک سلیم کا انتظار کرتا رہا۔ آخر مایوس ہو کر چلا گیا۔ بعد میں سلیم کو پتہ چلا تو وہ علی بخش پر سخت ناراض ہوا کہ اس نے امجد کو گول کمرے میں صوفے پر کیوں نہ بٹھایا اور فریج سے نکال کر کوکا کولا کیوں نہ پیش کیا۔ اب اس کا دوست سمجھے گا کہ یہ لوگ دیہاتی اور جنگلی ہیں۔ علی بخش کو سلیم کی ڈانٹ کا بڑا رنج ہوا۔ جب یہ بات کرنل صاحب تک پہنچی تو انہوں نے محسوس کیا کہ تنازعہ معمولی ہے جو چائے کی ایک پیالی میں سما سکتا ہے۔ کرنل صاحب نے اپنے بیٹے سلیم اور ملازم علی بخش کو ایک دیہاتی کا قصہ سنانا شروع کیا کہ ایک دیہاتی لڑکا اپنے گاؤں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد شہر کے ہائی سکول میں داخل ہوا۔ پہلے دن جب وہ اسکول پہنچا تو اس نے سر پر صافہ، کرتا اور تہبت زیب تن کیا ہوا تھا۔ ماسٹر جی نے شلوار پہننے کو کہا تو وہ بولا۔ "او خدایا! شلوار تو لڑکیاں پہنتی ہیں۔" سکول میں اسے چھوٹا چوہدری کہا جاتا تھا۔ اس سکول کے سیکنڈ ماسٹر کوٹ پتلون پہنتے تھے اور ہر فقرے میں دو تین لفظ انگریزی کے بولتے تھے۔ ایک دن وہ شکار کھیلتے ہوئے چھوٹے چوہدری کے گاؤں جا پہنچے۔ رات ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے چھوٹے چوہدری کے گھر ہی میں رات بسر کرنے کا پروگرام بنایا۔ چھوٹا چوہدری ویسے تو ماسٹر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ لیکن وہ حیران تھا کہ ان کی مہمان نوازی کیسے کی جائے؟ چھوٹے چودھری نے ماسٹر صاحب کو چوپال میں ٹھہرایا جس میں ایک طرف گھوڑی بندھی ہوئی تھی اور دوسری طرف گاؤں کے کچھ لوگ آگ کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ سب لوگوں نے ماسٹر صاحب کا خوب استقبال کیا۔ اور باری باری ان کی خیریت پوچھی۔ ماسٹر صاحب کو ایک رنگیلی چارپائی پر بٹھایا گیا۔ گاؤں کا نائی ماسٹر صاحب کے پاؤں دبانے لگا۔ چونکہ سردی کا موسم تھا اس لئے ماسٹر جی نے چائے مانگی۔ بڑی مشکل سے مقامی حکیم کے گھر سے تھوڑی سی چائے ملی۔ اور بدمزہ سی چائے تیار ہوئی۔ ماسٹر صاحب نے صرف ایک گھونٹ پیا اور پیالی رکھ دی۔ بہر حال کچھ تلافی رات کے کھانے پر مرغ کے سالن سے کر دی گئی۔ رات کو ماسٹر صاحب وہیں چوپال میں سوئے جس کے ایک حصے میں گھوڑی کھانستی رہی۔ صبح کو ماسٹر صاحب نے ہرے بھرے

کھیتوں کی سیر کی اور گاؤں کی مسجد کے غسل خانے میں غسل کیا۔ کہانی کے دوران کرنل صاحب کا بیٹا سلیم مسلسل چھوٹے چوہدری کی سادگی، سادہ لوحی اور بیوقوفی کا مذاق اڑاتا رہا۔ مثلاً وہ کہتا۔ "سچ مچ پکا پینڈو تھا"۔ پھر وہ کہتا کہ اباجان! اچھا ہوا آپ فوج میں آ گئے ورنہ ہم بھی چھوٹے چوہدری کی طرح مویشیوں کے ساتھ سوتے اور مسجد میں جا کر نہاتے"۔ چھوٹا چوہدری خاموشی سے پڑھتا رہا۔ میٹرک پاس کر کے وہ لاہور کالج میں چلا گیا۔ اس کے والد نے تھوڑی سی زمین بیچ دی اور اس طرح چھوٹے چوہدری نے مزید تعلیم حاصل کی اور پھر وہ خاندانی دستور کے مطابق فوج میں بھرتی ہو گیا۔ سلیم حیرت سے بولا۔ "اباجان۔ تو آپ چھوٹے چودھری کو جانتے ہوں گے کیا وہ آپ کے ماتحت کام کرتا ہے؟ آپ اسے بلایئے نا کبھی! ہم چھوٹے چوہدری کو دیکھیں گے۔ ہم بالکل نہیں ہنسیں گے "کرنل صاحب خود کھڑے ہوئے اور سلیم سے کہا دیکھو چھوٹا چوہدری اپنے بازو پھیلائے تمہارے سامنے کھڑا ہے"۔ سلیم حیرت میں گم ہو گیا۔ وہ بے ساختہ اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ سلیم اور علی بخش دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور دونوں کی آنکھوں میں ایک دیہاتی کے لئے محبت کی چمک تھی۔ ایاز اپنے اصلی لباس میں بھی بہت بھلا لگ رہا تھا۔

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر1:

سلیم کان پر ہاتھ رکھ کر بولے: " خدا اس دیہاتی زندگی سے بچائے۔ اباجان! اچھا ہوا آپ فوج میں آگئے! ورنہ ہم بھی چھوٹے چوہدری کی طرح مویشیوں کے ساتھ سو رہے ہوتے اور مسجد میں جا کر نہاتے۔" "لیکن چھوٹا چوہدری تو اس زندگی سے بھی ناخوش نہ تھا۔" "مگر اباجان! بیچارے ماسٹر جی کا کیا بنا؟"

سبق کا عنوان: قدرِ ایاز **مصنف کا نام:** کرنل محمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کان پر ہاتھ	پناہ چاہنا	مویشیوں	جانور
ناخوش	دُکھی	بے چارے	جس کا کوئی بس نہ چلتا ہو

تشریح:

زرعی انقلاب کے بعد انسان نے گھر بنا کر رہنا شروع کیا یہ چند گھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی بستیوں اور پھر بڑے بڑے شہروں میں تبدیل ہونے لگے اور ایک وقت آیا جب روزمرہ زندگی کی سہولیات کے حوالے سے شہروں میں زندگی کا معیار بہت بہتر ہو گیا اس کے برعکس دیہاتوں میں رہنے والے افراد کی زندگی میں بہت کم تبدیلی آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کے شہروں میں رہنے والے افراد یہ سمجھنے لگے کہ شاید وہ دیہاتیوں سے بہتر ہیں۔ سلیم کا کردار اسی رویے کو ظاہر کرتا ہے جب سلیم کے والد نے اسے ایک دیہاتی چودھری کا واقعہ سنانا شروع کیا تو واقعہ کے آغاز میں جب سلیم کو پتہ چلا کہ دیہات کے لوگ گھروں میں مویشی رکھتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں جہاں کھلی فضا میں وہ سوتے ہیں وہی آس پاس مویشی بھی بندھے ہوتے ہیں تو اس نے شکر ادا کیا کہ اس کا باپ فوج میں بھرتی ہو گیا اور اس طرح وہ دیہات میں رہنے سے بچ گیا ورنہ اسے بھی دوسرے دیہاتیوں کی طرح مویشیوں کے ساتھ سونا پڑتا اور مسجد میں جا کر نہانا پڑتا۔ سلیم کی باتیں سن کر سلیم کے والد نے اسے کہا کہ چھوٹا چوہدری ایسی زندگی گزارتے ہوئے بھی خوش و خرم تھا اسے کسی طرح کی پریشانی یا غم نہیں تھا لیکن سلیم نے اس بات کی طرف توجہ دینے کی

بجائے والد سے یہ پوچھا کہ ماسٹر جی کا کیا بنا؟ اس سوال کے پیچھے ایک تو واقعہ کی تکمیل کے حوالے سے تجسس موجود ہے اور دوسرا یہ کہ سلیم دیہاتیوں کو اور ان کے رہن سہن کو پسندیدہ نہیں سمجھتا تھا تو یہ چاہتا تھا کہ ماسٹر جی کا ردِ عمل اسے پتہ چلے تاکہ وہ اپنے مؤقف کو صحیح ثابت کر سکے کے دیہاتیوں کو زندگی گزارنے کے آداب نہیں آتے وہ انسانی سطح پر نہیں بلکہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں لیکن جب اسے پتہ چلتا ہے کہ دیہاتی لوگ بڑے پُر خلوص اور کھرے ہوتے ہیں اور خود اس کا والد ہی چھوٹا چوہدری ہے تو دیہاتیوں کے لئے اس کے دل میں نہ صرف نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ ایک طرح کی محبت بھی اُن سے کرنے لگتا ہے۔

اقتباس نمبر2:

یہ نہیں کہ چھوٹا چودھری یا اس کے گھر والے مہمان نواز نہ تھے۔ انہیں صرف اس بات کا یقین نہیں تھا کہ ان کی مہمان نوازی ماسٹر جی کو موافق بھی آئے گی یا نہیں۔ بہر حال انہوں نے اپنی تواضع کی ابتدا کی۔ چھوٹا چوہدری اور اس کے بڑے بھائی ماسٹر جی کو بصد تعظیم اپنی چوپال میں لے گئے۔

سبق کا عنوان: قدرِ ایاز **مصنف کا نام:** کرنل محمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
موافق	مزاج کے مطابق، راس	چوپال	دیہات کی بیٹھک جہاں سب مل کر بیٹھتے ہیں
تواضع	خاطر، آؤ بھگت	تعظیم	احترام، عزت

سیاق وسباق:

اس سبق میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ دیہاتی ہونا معیوب نہیں۔ مصنف کو وسیع بنگلہ ملا جس کو انہوں نے آرائش سے خوبصورت بنا لیا۔ ان کا بیٹا سلیم دن بھر بیڈ منٹن کھیلتا اور شام کو دوستوں کے ہمراہ ٹی وی دیکھتا۔ ایک دن اس کا دوست امجد آیا تو ملازم نے خاطر خواہ خدمت نہ کی جس پر سلیم نے اسے دیہاتی کہا۔ ملازم نے مصنف سے شکایت کی تو مصنف نے انہیں ایک دیہاتی چھوٹے چوہدری کا قصہ سنانا شروع کیا۔ چھوٹا چوہدری پرائمری کے بعد شہر کے سکول میں داخل ہوا۔ ایک دن اس کے ایک استاد شکار کھیلتے ہوئے اس کے گاؤں آ گئے چھوٹا چوہدری انہیں دیکھ کر خوش ہوا لیکن متفکر تھا کہ ماسٹر جی کی خدمت کیسے کرے۔ تشریح طلب اقتباس اسی موقع سے لیا گیا ہے۔

تشریح:

دیہات میں رہنے والے لوگ عموماً شہروں میں بسنے والے لوگوں سے زیادہ مہمان نواز ہوتے ہیں۔ انہیں جو وسائل اور سہولیات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ ان میں رہتے ہوئے کسی طرح کا بخل یا کوتاہی نہیں کرتے۔ سلیم میاں کو ان کے والد بتاتے ہیں کہ جب ماسٹر جی چھوٹے چودھری کے مہمان بن کر اس کے گاؤں آئے تو چھوٹے چودھری کو اس کی توقع نہیں تھی۔ لیکن اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ چھوٹا چودھری یا اس کے گھر والے مہمان نوازی کے آداب نہیں جانتے تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ انہیں اس امر کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ ماسٹر جی کی توقعات پر پورا بھی اتر سکیں گے یا نہیں۔ ماسٹر جی کو ان کی میزبانی پسند بھی آئے گی یا نہیں۔ ہمارے یہاں شہری اور دیہاتی زندگی میں رہن سہن کا خاصا فرق رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب دیہات میں دودھ یا لسی ہی مشروب کے طور پر پیش کی جاتی تھی۔ چائے یا دوسرے مشروبات دیہات میں متعارف نہیں ہوئے تھے۔ دیہات کے گھروں میں انسانوں کے ساتھ پالتو جانور بھی موجود ہوتے تھے۔ صحن میں ایک طرف گھر کے افراد کی چارپائیاں بچھی ہیں تو قریب ہی گائے یا بھینس بھی بندھی موجود ہے۔ شہر میں بسنے والے لوگ اس طرزِ زندگی کا تصور نہیں کر سکتے یہی وجہ تھی کہ جب چھوٹے

چوہدری نے ماسٹر جی کو اپنے گاؤں میں اپنا مہمان پایا تو اس کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ لیکن اس نے ماسٹر جی کی تواضع کا آغاز کیا اور انتہائی عزت واحترام کے ساتھ انہیں گاؤں کے چوپال میں لے گیا۔ ماضی میں عام طور پر اور موجودہ زمانے میں بھی کہیں کہیں دیہات میں چوپال موجود ہیں۔ چوپال گویا دیہات کی پارلیمنٹ ہوتی ہے جہاں گاؤں کے بڑے بوڑھے روزرات کو اکٹھے ہوتے، ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ بیان کرتے۔ گاؤں کے اجتماعی اور انفرادی معاملات زیر بحث آتے اور اپنی بساط کے مطابق انہیں حل کرنے کی نہ صرف تجاویز پیش کی جاتیں بلکہ عملی اقدام اٹھانے کی منصوبہ بندی بھی کی جاتی۔ چھوٹے چودھری کے لئے ماسٹر جی کی شخصیت اتنی اہم تھی کہ وہ انہیں لے کر چوپال لے گیا جہاں انہیں گاؤں کے سبھی اہم افراد سے ملایا گیا۔

اقتباس نمبر3:

چوہدری نے ان کے لیے اکلوتی ریشمی رضائی نکلوائی اور وہ سفید جھالر والا تکیہ بھی، جس کے غلاف پر بارہ سنگھے کی تصویر کڑھی ہوئی تھی۔ بے شک تکیے میں لچک کی نسبت اکڑ زیادہ تھی اور ماسٹر جی کو اسے سر کے نیچے فٹ کرنے میں کچھ دِقت بھی پیش آئی، لیکن آخر آرام سے سو گئے۔

سبق کا عنوان: **قدرِ ایاز** **مصنف کا نام:** **کرنل محمد خان**

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اکڑ	سختی	دقت	مشکل، پریشانی
غِلاف	تکیہ کا اوپری کپڑا، جُزدان	جھالر	حاشیہ، کنارا، پلّہ

تشریح:

جہاں وسائل محدود ہوں وہاں سماجی زندگی دو سطحوں پر موجود ہوتی ہے ایک روز مرہ کے معمولات اور رہنا سہنا دوسرا اہم موقع کی سرگرمیاں، چنانچہ عام طور پر ہمارے یہاں یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کے گھر کے افراد عام طور پر جو برتن، بستر کی چادریں، کمبل وغیرہ استعمال کرتے ہیں وہ مہمانوں کو نہیں دیتے بلکہ گھر میں جو بہترین برتن ہوتے ہیں۔ ان میں مہمانوں کو کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مہمان کسی گھر میں قیام پذیر ہو تو اسے بہترین بستر پیش کیا جاتا ہے جب ماسٹر جی چھوٹے چودھری کے مہمان ہوتے اور رات کو اس کے یہاں قیام کیا تو چودھری نے ماسٹر جی کے لیے گھر میں موجود واحد ریشمی رضائی نکلوائی اور تکیہ بھی۔ جس کے چوگرد سفید جالھر لگی ہوئی تھی اور غلاف پر بارہ سنگھے کی تصویر کڑھی ہوئی تھی۔ یہ دیہاتی لوگوں کی خوش ذوقی کی علامت تھی۔ ایک زمانہ تھا جب دیہات میں لڑکیوں کو کشیدہ کاری اور کڑھائی سکھائی جاتی تھی ۔انہیں کروشیا سکھایا جاتا تھا۔ بستر کی چادروں، تکیے، ٹرنکوں کے غلافوں کے گرد کرشیے کی جھالر بنائی جاتی تھی اور ان پر اپنے ذوق کے مطابق پھولوں اور جانوروں کی تصویریں کاڑھی جاتی تھیں۔ یہ سلیقہ شعاری کی علامت تھی۔ چھوٹے چودھری نے گھر میں موجود بہترین بستر ماسٹر جی کے لیے بچھوایا۔ تکیہ نرم وملائم نہیں تھا بلکہ اس میں لچک کے مقابلے میں اکڑ زیادہ تھی۔ یہ کرنل محمد خان کے تجربے اور گہرے مشاہدے کی بات ہے۔ شاید یہ دیہاتی مزاج کی علامت تھی۔ ماسٹر جی جو شہر سے گئے تھے انہیں یہ تکیہ سر کے نیچے فٹ کرنے میں اگرچہ مشکل پیش آئی لیکن بہرحال آخر کار وہ آرام سے سوگئے۔ اگر ہمیں ایک طرف چھوٹے چودھری کی مہمان نوازی نظر آتی ہے کہ وہ امکانی حد تک ماسٹر جی کو آسائش مہیا کرنے کی تگ ودو میں تھا تو دوسری طرف ماسٹر جی کی کشادہ دلی بھی دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے کسی بھی مرحلے پر ناک بھوں نہیں چڑھائی اور نہ ناگواری کا مظاہرہ کیا۔

اقتباس نمبر4:

طرفین کے بیانوں سے واضح تھا کہ تنازع بہت خفیف ہے اور یہ کہ دو طرفہ طوفان کا حدود اربعہ ایک چائے کی پیالی میں سما سکتا ہے۔

سبق کا عنوان: قدرِ ایاز مصنف کا نام: کرنل محمد خان

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
طرفین	دونوں طرف	واضح	صاف / دوٹوک
تنازع	جھگڑا	خفیف	ہلکا، معمولی

تشریح:

سلیم میاں اپنے دوست امجد صاحب کی حسب توقع خاطر تواضع نہ ہونے پر علی بخش پر برسے جس کا علی بخش کو دکھ ہوا۔ انہوں نے اس کا گلہ کیا۔ سلیم میاں نے اپنا موقف بیان کیا، دونوں کے بیانات سامنے آنے پر اندازہ ہوا کہ جھگڑا انتہائی معمولی ہے۔ اور جو طوفان اٹھا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ چائے کی پیالی میں سما سکتا ہے۔ اگر ہم روز مرہ زندگی کے اختلافی معاملات کو دیکھیں تو وہ اتنے سنگین ہوتے نہیں جتنا ہم انہیں بنا لیتے ہیں۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے ان پر غور کر لیا جائے اور ایک دوسرے کے موقف کو سن کر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بیشتر معاملات آسانی سے سلجھائے جا سکتے ہیں۔ اگر ہمارے رویوں میں لچک ہو ہم دوسرے کی بات کو بھی اتنی اہمیت دیں جتنا اہم ہم اپنی بات کو سمجھتے ہیں تو جھگڑے اختلاف یا تنازع کی صورت پیدا ہی نہ ہو۔ لوگ جب اپنے موقف کو صحیح اور دوسرے کے موقف کو غلط قرار دیتے ہیں تو پھر اختلاف جھگڑے اور ناراضی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ سلیم میاں اور علی بخش کے درمیان رنجش کا سبب بھی محض ایک مغالطہ تھا۔ سلیم میاں نے یہ فرض کر لیا کہ میزبانی کے آداب میں یہ شامل ہے کے مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر کوکا کولا پلایا جائے۔ اس کے برعکس علی بخش کے لیے مہمان کا برآمدے میں آرام کرسی پر بٹھانا اور اسے ٹھنڈا پانی پلا دینا کافی تھا۔ اتنی بات پر سلیم میاں غصے میں آ گئے اور علی بخش کو ڈانٹ دیا۔ مصنف کے نزدیک یہ معمولی سی بات تھی۔ اس کی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے انگریزی ادب سے محاورہ لیا کہ یہ طوفان چائے کی پیالی میں سما سکتا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے ماضی سے ایک واقعہ سنا کر سلیم میاں کے اس مغالطے کو دور کیا کہ دیہاتی ہونا گنوار پن کی نشانی ہے۔

مشق

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

(الف) مصنف کو کس قسم کا بنگلا رہنے کو ملا؟

جواب: کرنیلوں کو رہائش کے لیے عمدہ سی کلاس بنگلے ملتے ہیں۔ مصنف کو ایسا بنگلا ملا جو اپنی کلاس میں بھی منفرد تھا، یہ دو ایکڑ پر محیط تھا اور عمارت کے سامنے وسیع چمن تھا۔

(ب) سلیم میاں کا مشغلہ کیا تھا؟

جواب: سلیم میاں بیڈمنٹن کھیلتے اور سرِ شام ہی دوستوں کے ہمراہ ٹیلی ویژن دیکھتے۔

(ج) سلیم میاں، علی بخش پر کیوں برہم ہوئے؟

جواب: سلیم میاں کی غیر موجودگی میں ان کا دوست امجد ملنے آیا۔ علی بخش نے اس کی خاطر خواہ خدمت نہ کی جس پر سلیم میاں علی بخش پر برہم ہوئے کہ امجد سمجھے گا ہم دیہاتی ہیں ہمیں آداب نہیں آتے۔

(د) دیہاتی لڑکا پہلے دن سکول گیا تو اس نے کیسا لباس پہن رکھا تھا؟

جواب: دیہاتی لڑکا جب پہلے دن شہر کے سکول گیا تو ننگے سر پر صافہ باندھ رکھا تھا۔ بدن پر کرتا اور تہمد تھا اور پاؤں میں پوٹھوہاری جوتا پہن رکھا تھا۔

(ہ) ماسٹر جی چھوٹے چودھری کے گاؤں کیوں گئے تھے؟

جواب: ماسٹر جی شکار کے شوقین تھے۔ ایک دفعہ شکار کرتے کرتے سلیم کے گاؤں جا پہنچے۔

(و) ماسٹر جی کو چائے کیسے پیش کی گئی؟

جواب: مقامی حکیم کے گھر سے منگوا کر چائے بنائی گئی لیکن وہ کوئی کامیاب چائے نہ تھی۔ ماسٹر جی نے ایک گھونٹ پیا اور پیالی رکھ دی۔

(ز) دیہاتی لڑکے کی کہانی سن کر سلیم میاں پر کیا اثر ہوا؟

جواب: سلیم میاں کو احساس ہوا کہ دیہاتی ہونا باعث عار نہیں اور اب اس کی آنکھوں میں دیہاتی کے لئے محبت کی چمک تھی۔

Report any mistake ?

at : freeilm786@gmail.com

Want to get all subject notes ?

visit: freeilm.com

12 ۔ حوصلہ نہ ہارو آگے بڑھو منزل اب کے دور نہیں

خلاصہ

ہم نے وطن عزیز پاکستان کو بڑی قربانیاں دے کر بنایا ہے اس سر زمین پر بسنے والے سب ایک قوم ہیں اور انشاء اللہ ایک ہی رہیں گے۔ کوئی بھی پاکستانیوں کے حوصلے پست نہیں کر سکتا نہ ہی ہم کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دیں گے پاکستان کے گوشے گوشے میں لاتعداد کہانیاں بکھری پڑی ہیں آیئے آج ہم آپ کو پاکستان کے ایک قصبے میں رہنے والی ایک بہادر ماں کی مثال دیتے ہیں۔

ہمارا قصبے کا ایک مشہور و معروف نام "بی جان" بہادری اور دلیری کا پیکر ہیں۔ وہ اس نام کی حقدار اس لیے ہیں کہ وہ ایک شہید کی بیٹی، شہید کی بیوی اور شہید کی ماں ہیں۔ بی جان ہمیشہ پر عزم رہتیں، ہر کوئی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ وہ ہر کسی کی ضرورت کا خیال رکھتیں اور قصبے کے لوگوں کے مسائل کو حل کرتی تھیں اور دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتیں۔

ایک دن وہ اپنے کمرے میں آرام کرسی پر براجمان تھیں کہ اچانک ٹیلی ویژن پر آنے والی خبر سن کر پریشان ہو گئیں یہ خبر اس دردناک واقعہ سے متعلق تھی جو آج تک کسی نے روئے زمین پر نہ دیکھا تھا اس خبر میں سانحہ پشاور دکھایا جا رہا تھا جس میں دہشت گردوں نے ڈیڑھ سو کے قریب قریب معصوم بچوں، اساتذہ اور گارڈز کو شہید کر دیا تھا۔ ساری دنیا تڑپ اُٹھی اور ہر آنکھ اشکبار تھی جس سے "بی جان" کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے کیونکہ شہداء میں انہیں اپنا بیٹا احمد نظر آ رہا تھا جو ایک بم دھماکے میں زخمیوں کی مدد کرتے ہوئے شہید ہوا تھا جس کو انہوں نے بڑی مشقتوں سے پالا تھا، ایف۔ اے کے بعد احمد اپنے نانا اور والد کی طرح فوج میں بطور آفیسر منتخب ہو گیا جب اُس نے "کاکول اکیڈمی"، "ایبٹ آباد" کے لیے روانہ ہونا تھا، وہ اپنی چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ گیا جہاں بم کا دھماکہ ہو گیا ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ احمد نے اپنی چیزوں کو چھوڑ کر بڑی بہادری اور دلیری سے زخمیوں کی مدد کرنے لگا فارغ ہونے کے بعد جیسے ہی پلٹا تو ایک عورت کی مدد کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زوردار دھماکا ہوا اور احمد بھی اس کی زد میں آ گیا "بی جان" کو جب معلوم ہوا کہ اُن کا بیٹا بڑی بہادری سے انسانی جانوں کو بچاتے ہوئے شہید ہو گیا ہے تو اُن کا سر فخر سے بلند ہو گیا مگر ممتا کو سکون نہیں ملتا تھا، وہ بار بار اپنے آپ اور معاشرے سے سوال کرتیں کہ یہ کیسے دشمن ہیں جو کالی بھیڑوں کی طرح ہمارے اندر چھپے ہوئے ہیں؟ ہم ان کو کیسے پہچانیں؟ ان کے ارادے کیا ہیں؟ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اپنے بچے اور اس جیسے ناحق شہید لوگوں کا خون کن ہاتھوں پر تلاش کروں؟

سانحہ پشاور کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ گئیں کہ درندوں کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ کیا چاہتے ہیں اچانک اُن کے کانوں میں ملّی ترانے کی یہ آواز آئی:

حوصلہ نہ ہارو آگے بڑھو، منزل اب کے دور نہیں

ساری رات سوچنے اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد آخر کار وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئیں۔ انہوں نے تمام قصبے کے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بولیں: اب وقت آ گیا ہے کہ دہشت گردوں کی پہچان قوم کے تمام افراد کو کرنا ہے۔ دہشتگرد ہمیں تعلیم سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور جہالت سے بڑی کوئی لعنت نہیں۔ ہمیں دہشت گردی کا مقابلہ کر کے اپنی قوم کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنا ہے۔

علم کے راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنا ہے۔ پہل میں کرتی ہوں اور اس کام کے لیے اپنے گھر کو "آگاہی سنٹر" بناتی ہوں۔ جو دوسرے مرد و خواتین کو ناگہانی حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے ہر طرح کی ضروری معلومات دے گا تاہم انفرادی طور پر ہم یہ کر سکتے ہیں۔ اپنے علاقے کا تحفظ یقینی بنائیں، مشکوک افراد کی پولیس کو اطلاع دیں، ہر فرد کی چیکنگ کریں، ایمرجنسی فون نمبر نمایاں جگہ پر لگائیں، لاوارث چیزوں کی اطلاع دیں، کرایہ دار رکھنے میں محتاط ہو جائیں۔ ہر علاقے میں آگاہی سنٹر کا قیام لازمی ہو، تربیت یافتہ لوگ آگے بڑھیں مثلاً ریٹائر فوجی، پولیس وغیرہ۔

دہشت گردی اور قتلِ عام سے ڈر کر خاموشی اختیار کرنا بزدلی ہے، اس ظلم کے خلاف ہر سطح پر آواز بلند کر کے ہمیں زندہ ہونے کا ثبوت دینا ہوگا اگرچہ حکومت دہشتگردوں سے نمٹنے کے ضروری اقدامات اٹھا رہی ہے۔ تاہم پھر بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنی مدد آپ کے تحت کیا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اصولوں پر عمل کرنا ہوگا:

اپنے گھریلو ماحول کو بہتر بنانا ہوگا۔ قول و فعل سے تضاد ختم کرنا ہوگا۔ ہمسایوں سے بہتر تعلقات بنانے ہوں گے۔ ایک دوسرے کے عقائد و نظریات کا احترام کرنا ہوگا۔ پاکستانیوں کی جان و مال کا تحفظ۔۔ محبت اور رواداری کے جذبات کا فروغ، مذہبی آزادی کا خیال رکھنا۔ غیر ذمہ دار افراد کے خلاف مناسب کارروائی کرنی ہوگی۔

امید ہے کہ اگر ہم اپنی مدد آپ کے تحت اپنے اپنے محلے، قصبے اور ٹاؤن کی سطح پر کام کریں تو یقیناً ہم دہشت گردی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

"پاکستان زندہ باد"

اقتباس کی تشریح

اقتباس نمبر 1:

ہم نے اپنے پیارے وطن پاکستان کو بڑی قربانیاں دے کر بنایا ہے۔ اس سرزمین پر رہنے والے سب لوگ ایک قوم ہیں اور انشاء اللہ ایک رہیں گے۔ کوئی بھی اس قوم کے حوصلے پست نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہم کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دیں گے۔ پاکستان کے گوشے گوشے میں اس کی خاطر قربان ہونے والوں کی لاتعداد کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔

سبق کا عنوان: حوصلہ نہ ہارو آگے بڑھو منزل اب کے دور نہیں **مصنف کا نام:**

خط کشیدہ الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پست	نشیب، نیچا	قربان	نثار
گوشہ	کونہ	سرزمین	وطن، خطہ

سیاق و سباق:

یہ نثر پارہ سبق کے آغاز سے لیا گیا ہے سبق میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے۔ ہمارے حوصلے بلند رہیں گے۔ بی جان بہادری اور دلیری کا پیکر ہیں۔ وہ شہید کی بیوہ بیٹی اور ماں ہیں۔ سانحہ پشاور کی خبر سن کر پریشان ہو گئیں۔ ان کا بیٹا بھی اس سے قبل ایک دھماکے میں شہید ہو گیا تھا۔ انہوں نے قصبے کے تمام لوگوں کو اپنی مدد آپ کے تحت دہشت گردوں سے مقابلے کی تعلیم و تربیت دی۔

تشریح:

پاکستان بے مثال محنت اور بڑی قربانیوں کے بعد بنا ہے۔ یہاں کے رہنے والے ایک قوم ہیں۔ سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان پاک پرچم کے نیچے ایک قوم ہیں۔ گروہ بندی اور فرقہ واریت انہیں تقسیم نہیں کر سکتی۔ سب پاکستانی یکجہت اور یک جان ہیں۔ اندرونی اور بیرونی دشمن ان کے حوصلے پست نہیں کر سکتے۔ ہمارے بے راہ رو خوارج ہوں یا بیرونی ایجنسیاں را اور این ڈی ایس ہوں پاکستانی قوم کے عزم کو استقلال کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ پاکستان کے گوشے گوشے کے لوگ اس وطن پر جان نچھاور کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ وطن کے ہر گوشے میں موجود شہدا کی کہانیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ ہمیں خونِ دل دے کر رخِ وطن نکھارنا آتا ہے اور وطن کی حرمت پر کٹ مرنا آتا ہے۔ پاکستان کے دشمن جان لیں کہ پاکستان ہمیشہ کے لیے بنا ہے۔

مشق

سوال 1: متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درست جوابات کی نشاندہی کریں۔

1- سکولوں کو دہشت گردوں سے محفوظ بنانے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟

(الف) سیکورٹی گارڈ (ب) سی سی ٹی وی کیمرہ (ج) خاردار تار (د) ✓ تمام

2- ایمرجنسی نمبر کا نمایاں جگہ پر چسپاں کرنا کیوں ضروری ہے؟

(الف) ✓ یاد دہانی کے لئے (ب) سجاوٹ کے لئے (ج) قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے (د) پولیس اور متعلقہ محکمہ کو فوری اطلاع دینے کے لیے

3- سکول میں مشکوک بیگ نظر آنے کی صورت میں:

(الف) دوستوں کو بتایا جائے (ب) ٹیچر کو بتایا جائے (ج) ✓ ایمرجنسی فون پر اطلاع کی جائے (د) بیگ کو خود ہٹایا جائے

4- دہشتگردی کے خاتمے پر اہم کردار ہے:

(الف) الیکٹرانک میڈیا کا (ب) مسجد کا (ج) مدرسے کا (د) ✓ تمام کا

5- محلے میں آگاہی سینٹر کے قیام کا مقصد:

(الف) ✓ تربیت یافتہ لوگوں کو آگے لانا (ب) باہمی میل جول (ج) ایک دوسرے کو اطلاع دینا (د) پولیس کی مدد کرنا

6- دکاندار دکان کھولنے سے پہلے دہشت گردوں کے حوالے سے جائزہ لیں:

(الف) تالوں کا (ب) ✓ ارد گرد لوگوں کا (ج) ارد گرد مشکوک اشیاء کا (د) دکان کے اندر اشیاء کا

7- سانحہ پشاور کب پیش آیا؟

(الف) 13 دسمبر 2014ء کو (ب) 14 دسمبر 2014ء کو (ج) 15 دسمبر 2014ء کو (د) ✓ 16 دسمبر 2014ء کو

8- دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے کس کے ساتھ کام کرنا ہو گا؟

(الف) فوج (ب) پولیس (ج) عوام (د) ✓ سب کے ساتھ

9- اپنی مدد آپ کے تحت دہشت گردی سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے:

(الف) ✓ نفرت و جہالت ختم کر کے (ب) عدم برداشت ختم کر کے (ج) تفرقہ بازی ختم کر کے (د) ان سب کو

10-کاکول اکیڈمی واقع ہے:

(الف)✓ایبٹ آباد (ب)مظفر آباد (ج)نتھیا گلی (د)گھوڑا گلی

سوال 2: مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

جوابات:

1- سانحہ پشاور 16 دسمبر 2014ء کو ہوا۔

2- ملٹری اکیڈمی کاکول **ایبٹ آباد** میں واقع ہے۔

3- ہمیں محلے اور قصبے میں داخل ہونے والے ہر اجنبی شخص کی **چھان بین** کرنی چاہیے۔

4- کسی پر اسرار سرگرمی کی فوری اطلاع 1717 پر دینی چاہیے۔

سوال 3: متن کو مدنظر رکھتے ہوئے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1- جہالت سب سے بڑی لعنت ہے۔ ✓

2- ہم اپنے محلے میں داخل ہونے والے اجنبی شخص کی چھان بین نہیں کرنی چاہیے۔ ✗

3- ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے 1717 پر اطلاع دی جاتی ہے۔ ✓

4- کرایہ دار رکھتے ہوئے متعلقہ تھانوں میں اُن کے شناختی کارڈ کا اندراج لازمی کروانا چاہیے۔ ✓

5- ہمیں ایک دوسرے کے عقائد اور نظریات کا احترام کرنا چاہیے۔ ✓

سوال 4: درج ذیل الفاظ کی مدد سے ایسے جملے بنائیں جو اُن کا مفہوم واضح کر دیں۔

الفاظ	جملے
افراتفری	بم دھماکے کے وقت ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔
جہالت	اپنی مدد آپ کے تحت نفرت اور جہالت کو ختم کر کے دہشت گردی سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔
مشکوک	اپنے گلی اور محلے میں بھی مشکوک افراد کی چھان بین کرنی چاہیے۔
محبِّ وطن	محبِّ وطن لوگ ہی ہمیشہ قوم و ملک کی ترقی کے لئے کام کرتے ہیں۔
عقائد	ہمیں دوسروں کے عقائد و نظریات کا اسی طرح احترام کرنا چاہیے جتنا ہم اپنے نظریات و عقائد کا کرتے ہیں۔
غفلت	انسان کو غفلت کی نیند سے جگانے کے لئے ذوقِ آگہی دینا بہت ضروری ہے۔

سوال 5: سوالات کے مختصر جوابات:

1- آپ اپنے سکول میں دہشت گردی کی روک تھام کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟

جواب: بحیثیت طالب علم اپنے سکولوں کے گردونواح پر نظر رکھیں نیز مشکوک شخص، چیز اور لاوارث سامان پر بھی نظر رکھیں۔ سکول کے اوقات کار میں کسی بھی اجنبی شخص کو بغیر تحقیق سکول کی طرف نہ آنے دیں۔

-2 ایک دکاندار اپنے علاقے میں کس طرح دہشت گردی کی روک تھام میں معاونت کر سکتا ہے؟

جواب: ہر محلے اور قصبے یا گاؤں کے دکاندار اپنی دکان کھولنے سے پہلے ارد گرد کا جائزہ لیں کہ کوئی مشکوک چیز مثلاً سائیکل، موٹر سائیکل یا گاڑی وغیرہ لاوارث تو نہیں کھڑی اگر ہے تو فوراً اطلاع دیں۔ اس طرح دکاندار اپنے علاقے میں دہشت گردی کی روک تھام میں معاونت کر سکتا ہے۔

-3 لوگوں کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے اپنی مدد آپ کے تحت کیا کرنا چاہیے؟

جواب: دہشت گردی اور قتل عام سے ڈر کر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے اس ظلم کے خلاف ہر سطح پر آواز بلند کر کے ہمیں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دینا ہوگا۔ اگرچہ حکومت ان سے نمٹنے کے لیے ضروری اقدامات اٹھا رہی ہے۔ تاہم پھر بھی ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم اپنی مدد آپ کے تحت کیا کر سکتے ہیں ہمیں مندرجہ ذیل اُصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔

- گھریلو ماحول کو بہتر بنا کر۔
- اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس دلا کر۔
- بچوں کو تعلیم یافتہ اور با عمل انسان بنا کر۔
- زندگی کے تمام شعبہ جات میں قول و فعل کا تضاد ختم کر کے۔
- ہمسایوں سے بہتر تعلقات بنا کر۔
- ایک دوسرے کے دکھ درد میں عملاً شریک ہو کر۔
- ایک دوسرے کے نظریات و عقائد کا احترام کر کے۔
- پاکستانیوں کے جان و مال کو محفوظ بنا کر۔
- آپس میں محبت اور رواداری اور برداشت کے جذبات کو فروغ دے کر۔
- تمام مذاہب کا احترام کر کے۔
- ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر۔
- غریبوں کی مدد کر کے۔
- جہالت، نفرت اور صوبائی تعصب ختم کر کے۔

-4 دہشت گردی کو روکنے کے لیے کرایہ داروں کے لیے ضروری معیار مختصراً بیان کریں۔

جواب: تمام ممالکِ مکان جب بھی کوئی کرایہ اور گھریلو ملازم کو رکھیں تو سب سے پہلے متعلقہ تھانوں میں ان کے شناختی کارڈ وغیرہ کی جانچ پڑتال اور اندراج لازمی کروائیں۔ تحریری معاہدہ کریں۔

-5 محلے میں دہشت گردی کے حوالے سے "آگاہی سنٹر" کے قیام کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں؟

جواب: محلے میں "آگاہی سنٹر" کا سب سے بڑا مقصد مرد و خواتین کو ناگہانی حالات سے انفرادی اور اجتماعی طور پر تیار کرنا ہے تاکہ وہ مشکل حالات میں نہ صرف خود مقابلہ کر سکیں بلکہ دوسروں کی بھی مدد کر سکیں۔ آگاہی سنٹر کے دوسرے بڑے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

- تمام قوم متحد ہو جائے اس کی تعلیم دیں۔
- علم کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کرنا۔
- تعلیم کو عام کرنا۔
- جہالت کو دور کرنا۔
- علم کی روشنی کو پھیلانا۔
- تربیت یافتہ افراد کو آگے لانا۔
- ایک دوسرے کی مدد کرنا۔
- لوگوں کو روزگار فراہم کرنا۔

Report any mistake ?
at : freeilm786@gmail.com
Want to get all subject notes ?
visit: freeilm.com